رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۲۹۶

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ

۸۱ کتبخانہ جناب میر محمد اسحاق صاحب
بالمقابل نت - دارالانوار
قادیان
Qadian

فاروق

قادیان

ایڈیٹر: میر قاسم علی احمدی

شرح چندہ پیشگی
ہندوستان - سالانہ - ششماہی
غیر ممالک
اشتہارات باجرت

تاریخہائے اشاعت ہر انگریزی ماہ کی ۷-۱۴-۲۱-۲۸

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جلد ۲۳ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۳۸ء | نمبر ۳۰

خطبہ جمعہ مورخہ ۵ اگست ۱۹۳۸ء

منافقین کی قسمیں اور ان کی علامتیں

فرمودہ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

مَیں نے پچھلے خطبۂ جمعہ میں

منافقین کے متعلق بعض باتیں

بیان کی تھیں۔ اور بتایا تھا۔ کہ منافق ہر جماعت میں ہونے ضروری ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی جماعت آج تک دنیا میں ایسی نہیں بنی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہو۔ اور اس میں منافق پیدا نہ ہوئے ہوں۔ بعض لوگ نادانی سے یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ

منافقت حکومت میں ہوتی ہے

حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اور روزانہ تجربہ کے بھی خلاف ہے۔ مذہبی جماعتوں کو جانے دو۔ تم افراد کی دوستیوں کو لے لو۔ کیا کوئی بھی شخص ایسا ہے۔ جو یہ کہہ سکے۔ کہ اس کے کسی دوست نے اس سے کبھی دھوکا بازی نہیں کی اور دوست کی دھوکا بازی کو ہی منافقت کہا کرتے کہا کرتے ہیں۔ یعنی یوں ظاہر میں دوست ہو۔ مگر اندر سے دشمنی اور شرارت کرتا ہو۔ میں سمجھتا ہوں۔ سوائے ایسے بے وقوف کے جو انسان کی حقیقت سمجھنے سے عاری ہو۔ اور جس میں قوت فیصلہ نہ ہو۔ ہر انسان کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اس نے بعض سے حسن سلوک کیا۔ ان کی وقتاً فوقتاً امداد کی۔ اور ان سے ہر رنگ میں اچھا معاملہ کیا۔ مگر وہ اندر ہی اندر اس کے خلاف کوئی منصوبہ یا شرارت کرتے رہے۔ بچوں میں بھی یہی ہوتا ہے۔ سکول کے لڑکے آپس میں دوستانہ تعلقات پیدا کرتے ہیں۔ مگر ان میں بھی یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ بعض دفعہ ظاہر میں ایک دوست بنا ہوا ہوتا ہے مگر باطن میں وہ مخالف ہوتا ہے۔ وہاں کونسی حکومت ہوتی ہے۔ ہاں نظام میں یہ بات زیادہ ہوتی ہے۔ اور جہاں کہیں نظام ہوگا۔ وہاں یہ بات نمایاں طور پر نظر آجائے گی۔ اسلئے کہ نظام ہر شخص کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے سپرد اس نظام کی نگرانی ہوتی ہے۔ اور چونکہ وہ نگرانی کرتے ہیں۔ اس لئے جب معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی شخص منافق ہے۔ تو اسے بلایا جاتا ہے۔ اس پر جرح کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق گواہیاں لی جاتی ہیں۔ اور اس طرح تمام باتیں ریکارڈ اور شہادتوں میں آجاتی ہیں۔ پس چونکہ ایک نظام کے نتیجہ میں اس قسم کی باتیں ریکارڈ میں آجاتی ہیں۔ اور منافقوں کو بلا بلا کر ان سے سوالات کئے جاتے ہیں۔ اسلئے یہ بات نمایاں طور پر نظر آجاتی ہے۔ لیکن جب ایک دوست دوسرے دوست سے غداری کرتا ہے۔ تو وہ صرف اتنا ہی کرتا ہے۔ کہ اس سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ اس کے اندر یہ طاقت نہیں ہوتی۔ کہ اسے بلائے۔ اس کے متعلق شہادتیں لے۔ اور جرح کرکے اسکی منافقت کو ثابت کرے۔ اور اگر وہ اسے بلائے بھی۔ تو وہ آئے گا کیوں؟ کہے گا۔ تم گھر بیٹھو۔ میں تمہارا کوئی نوکر نہیں۔ کہ تمہارے بلانے پر آجاؤں۔ مگر جہاں نظام ہوتا ہے۔ وہاں چونکہ ایک قسم کی طاقت ہوتی ہے۔ اسلئے جن پر

منافقت کا الزام

ہو۔ انہیں بلایا بھی جاتا ہے۔ ان کے متعلق گواہیاں بھی لی جاتی ہیں۔ ان پر جرح بھی کی جاتی ہے۔ اور اس طرح یہ تمام چیزیں ریکارڈ میں آجاتی اور لوگوں کو نمایاں طور پر نظر آنے لگ جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ کہنا کہ حکومت کے ساتھ منافقت ہوتی ہے۔ یہ

حکومت کے مفہوم کے سمجھنے میں غلطی کھانے کا نتیجہ

ہے۔ اور اگر یہ صحیح ہو۔ کہ حکومت کے ساتھ ہی منافقت ہوتی ہے۔ تو اس حکومت سے مراد وہی حکومت ہوگی۔ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہٖ۔ کہ تم میں سے ہر شخص بادشاہ چرواہا۔ یا نگران ہے۔ اور ہر شخص سے اپنی اپنی رعیت یا گلّے کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ تو کوئی انسان دنیا میں ایسا نہیں۔ جس کو کچھ نہ کچھ حکومت نہ ملی ہو۔ اگر اسکی بیوی ہے۔ تو الرجال قوامون علی النساء کے ماتحت وہ اپنی بیوی کی نگرانی کرتا ہے۔ اگر اسکے بچے ہیں۔ تو وہ اپنے بچوں کا نگران ہے۔ پھر یہ دنیا سینکڑوں یا ہزاروں افراد پر مشتمل نہیں بلکہ اربوں کی دنیا ہے۔ اس دنیا میں ہزاروں ایسے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آدمی ملیں گے۔ جن کی

بیویاں منافق

ہوتی ہیں۔ وہ بظاہر اپنے خاوندوں کے ساتھ رہتی ہیں۔ مگر درپردہ بدکاری اور فسق و فجور ان میں پایا جاتا ہے۔ اور وہ دوسروں سے تعلقات رکھتی ہیں۔ پھر ہزاروں ایسی ہیں۔ جو بدکار تو نہیں۔ لیکن انہیں اپنے خاوندوں سے دشمنی ہے۔ اور اس وجہ سے وہ اپنے خاوندوں کے خلاف بھی منصوبے کرتی رہتی ہیں۔ پھر ہزاروں ایسی ملیں گی۔ جو خاوندوں کے حسن سلوک میں کمی ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف فتنہ و فساد بپا رکھتی ہیں۔ اور اسی کا نام منافقت ہے۔ پھر جو دوست ہوتے ہیں۔ ان میں بھی ایک رنگ کی حکومت ہوتی ہے تم

کبھی دو دوست مساوی نہیں دیکھو گے

جب بھی دیکھو گے۔ تمہیں معلوم ہوگا۔ کہ ایک غالب دوست ہے۔ اور ایک مغلوب دوست ہے۔ یعنی ایک دوست دوسرے دوست کے پیچھے چلنے والا ہوگا۔ اور دوسرا اسے مشورہ دینے والا اور اسے چلانے والا ہوگا۔ دو برابر کے دوست تمہیں کبھی نظر نہیں آئیں گے۔ کیونکہ یہ فطرت کے ہی خلاف ہے۔ کہ انسانوں میں کلی طور پر مساوات ہو۔ وہ ضرور اپنے میں سے ایک کی قابلیت اور برتری کو تسلیم کرتے اور اس کے پیچھے چلتے ہیں۔ چاہے وہ منہ سے نہ کہتے ہوں۔ کہ تو ہمارا بادشاہ ہے۔ جہاں بھی چار پانچ دوست ہوں گے۔ تم دیکھو گے۔ کہ ان میں سے ایک دو مشورہ دینے والے ہوں گے۔ اور باقی مشورہ لینے والے۔ ایک دو حکم دینے والے ہوں گے۔ اور باقی حکم سننے والے۔ تو دوستوں میں بھی حکومت کا ایک رنگ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح مدرسے ہیں۔ مساجد کے اجتماع ہیں۔ تجارتیں ہیں۔ زراعتیں ہیں۔ ان سب میں ایک رنگ حکومت کا پایا جاتا ہے۔ بازار کا سوال ہو۔ تو ایک چودھری ہوتا ہے۔ جسے اپنے حلقہ میں ایک رنگ کی حکومت حاصل ہوتی ہے۔

غرض تھوڑی یا بہت حکومت ہر شخص کو حاصل ہے۔ اور اس کے بغیر دنیا کا کام نہیں چلتا۔ چوروں اور ڈاکوؤں تک میں ان کے سردار ہوتے ہیں۔ اور یہ ممکن ہی نہیں کہ چور چوریاں کریں۔ اور وہ کسی کو اپنا افسر نہ بنائیں۔ ڈاکو ڈاکے ڈالیں۔ اور کسی کو اپنا لیڈر تجویز نہ کریں۔ فقیر اور سادھو بھی اپنے میں سے ایک کو افسر بنا لیتے ہیں۔ پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے۔ کہ کوئی دو مومن ایسے نہ ہوں۔ جو

اپنے میں سے ایک شخص کو امیر

نہ بنالیں۔ تو اب ایک رنگ کی حکومت تمام دنیا میں ہو گئی۔ ایک طرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمادیا۔ کہ کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیتہٖ اور دوسری طرف یہ فرمادیا۔ کہ جب بھی دو مومن اکٹھے ہوں۔ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں۔ ادھر دنیا کا قاعدہ بتا رہا ہے۔ کہ یہ صحیح اصل ہے۔ ہم کسی کو اپنا حاکم یا افسر نہ بھی بنائیں۔ جس کے ذہن میں جدت اور تیزی ہوگی۔ وہ آپ ہی آپ ہمارا افسر بن جائیگا۔ چاہے اسے منہ سے نہ کہا جائے۔ کہ آپ ہمارے افسر اور حاکم ہیں۔ مگر عملاً یہی ہوگا۔ کہ دوست اسی سے مشورہ لیں گے۔ اور اسی کے پیچھے اپنے آپ کو چلائیں گے۔ چاہے یہ برتری اور فوقیت عقل کی وجہ سے ہو۔ چاہے مال کی وجہ سے۔ اگر چار یا پانچ دوست ہوں۔ اور ان میں سے ایک دولت مند ہو۔ تو گو بظاہر وہ اس دولت مند کو کسی میٹنگ میں اپنا بادشاہ یا افسر مقرر نہیں کریں گے۔ مگر عملاً یہی ہوگا۔ کہ وہ اسی دوست کے گھر جمع ہوں گے۔ جو انہیں کھانا کھلائے یا چائے پلائے۔ یا مٹھائی کھلائے۔ اب یہ برتری مال کی وجہ سے ہوگی۔ کسی طاقت کی وجہ سے نہیں ہوگی۔ اسی طرح چار پانچ اور دوست ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک پہلوان ہوتا ہے۔ دوسرے جانتے ہیں۔ کہ اگر اس نے کسی کو ایک تھپڑ بھی مارا۔ تو وہ کئی گز تک لڑھکتا چلا جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ باقی کمزور لڑکے اس کے اردگرد اکٹھے رہتے ہیں۔ تا اگر دوسرے لڑکے ہمیں دق کریں۔ تو ہم اسکی پناہ میں محفوظ رہیں۔ اب وہ بادشاہ نہیں ہوتا۔ انہوں نے کسی میٹنگ یا مجلس میں اس کی افسری کو تسلیم کرنے کے متعلق کوئی ریزولیوشن پاس نہیں کیا ہوتا۔ کوئی کمیٹی نہیں کی ہوتی۔ مگر فطرت خود بخود

بہادر انسان کی فوقیت

کو تسلیم کرالیتی ہے۔ اسی طرح منافقوں کو دیکھ لو۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے بھی لیڈر ہوتے ہیں۔

کفار کے بھی لیڈر ہوتے ہیں

حتیٰ کہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ جب دوزخی دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ تو وہ کہیں گے۔ یا اللہ ہمارے کچھ سردار بھی تھے۔ انہیں بھی سزا دی جائے۔ اور ہم سے زیادہ دی جائے۔ کیونکہ انہوں نے ہی ہم کو گمراہ کیا۔

منافقوں کا بھی یہی حال ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے۔ منافقوں کا لیڈر عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ اب اس کے یہ معنے نہیں۔ کہ انہوں نے اسکی لیڈری کے متعلق کوئی ریزولیوشن پاس کیا تھا۔ یا کوئی کمیٹی ہوئی تھی۔ جس میں یہ پاس ہوا تھا۔ کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کو اپنا لیڈر منتخب کیا جائے۔ بلکہ اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ وہ چونکہ منافقت میں دوسروں سے بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے خود بخود منافقوں کا لیڈر بن گیا۔ چوروں کا لیڈر بڑا چور ہوتا ہے۔ ڈاکوؤں کا لیڈر بڑا ڈاکو ہوتا ہے۔ بدکاروں کا لیڈر بڑا بدکار ہوتا ہے۔ سپاہیوں کا لیڈر بڑا لڑنے والا ہوتا ہے۔ حساب دانوں کی اگر ایک مجلس ہو۔ تو وہ اسی کو اپنا لیڈر منتخب کریں گے۔ جو سب سے زیادہ حساب دان ہو۔ اور اگر اسے منتخب نہ بھی کریں۔ تو بھی اگر کوئی بات کریں گے۔ تو اس سے پوچھ کر۔ اور اگر کوئی فیصلہ کریں گے۔ تو اسکی رائے لے کر۔ اسی طرح پانچ سات ڈاکٹر جمع ہوں دو تین سب اسسٹنٹ سرجن ہوں۔ دو اسسٹنٹ سرجن ہوں۔ اور ایک سول سرجن ہو۔ تو جب بھی کوئی بات ہوگی۔ وہ سول سرجن کی طرف منہ کر کے کہیں گے۔ کیوں جی یہ بات اسی طرح ہے نا۔ یا سول سرجن کوئی نہ بھی ہو۔ اگر ایک ڈاکٹر اپنے اندر غیر معمولی لیاقت رکھتا ہے۔ تو ہر ڈاکٹر اس بات پر مجبور ہوگا۔ کہ اسکی طرف منہ موڑ کر پوچھے۔ کہ کیوں جی یہ درست ہے؟ کیونکہ فطرت انسان کو مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ اپنے سے زیادہ قابلیت والے کی طرف جھکے۔ اور اسی کا نام حکومت ہے۔ ایسی مجالس میں جب بھی کسی کو شکوہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اندر ہی اندر منصوبے کرنے لگ جاتا ہے۔ تو

اس کو منافقت کہا جاتا ہے

نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ دوستیاں دشمنیوں سے اور رفاقتیں اختلاف سے بدل جاتی ہیں۔ میاں بیوی ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ مگر پھر کوئی ایسا اختلاف ان میں پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ کہتے ہیں۔ اب طلاق کے سوا کوئی علاج ہی نہیں۔ مگر پھر کچھ عرصہ کے بعد انہیں دیکھا جاتا ہے۔ تو ان میں اس قدر محبت ہوتی ہے۔ گویا عاشق و معشوق ہیں۔ میرے سامنے چونکہ جماعت کے مقدمات آتے رہتے ہیں۔ اسلئے مجھے ایسی بہت سی مثالیں معلوم ہیں۔ کہ میاں بیوی کے درمیان لڑائی ہوئی۔ اور وہ لڑائی بڑھتی چلی گئی۔ اور جب صلح کی کوشش کی گئی۔ تو انہوں نے کہا۔ اب رہنے دیجئے۔ ہمارے دل پھٹ چکے ہیں۔ اور پھٹا ہوا دل کسی صورت میں نہیں جڑ سکتا۔ پھر اس پر زور دینے کے لئے کوئی پنجابی کی مثالیں دیگا۔ کوئی اردو کی مثالیں دیگا۔ کوئی انگریزی کی مثالیں دیگا۔ اور جیسی جیسی لیاقت ہوگی اس کے مطابق اس بات پر زور دیا جائیگا۔ کہ اب صلح بالکل ناممکن ہے۔ دل ٹوٹ چکے ہیں۔ اور سارے بزرگ یہ تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ کہ ٹوٹا ہوا دل نہیں جڑ سکتا۔ مگر سال بھر کے بعد ان کو دیکھا جائے۔ تو

یک جان دو قالب

ہوتے ہیں۔ پھر ان سے پوچھا جاتا ہے۔ کہ کیا ہوا۔ تم تو کہا کرتے تھے۔ کہ صلح بالکل ناممکن ہے۔ اور ٹوٹا ہوا دل جڑ نہیں سکتا۔ تو وہ کہتے ہیں۔ جی اللہ نے بڑا فضل کر دیا۔ اب تو ہماری آپس میں بڑی محبت ہے۔

پھر وہ تمام مثالیں بھول جاتے ہیں۔ جو اختلاف کے موقعہ پر ان کی زبانوں سے سنی جاتی ہیں۔

ایک میاں بیوی کا جھگڑا

ایک دفعہ میرے پاس آیا۔ میں نے دونوں کے رشتہ داروں کو اکٹھا کیا۔ اور چاہا۔ کہ وہ آپس میں صلح کر لیں۔ مگر اس وقت صلح تو ایک طرف رہی۔ انہوں نے میرے سامنے ایسی لڑائی کی۔ ایسی لڑائی کی۔ کہ اسکی کوئی حد نہ رہی۔ میں نے بہتیری کوشش کی۔ اور کہا۔ کہ جھگڑا جانے دو۔ اور صلح کر لو۔ مگر وہ کہیں۔ اب صلح کہاں ہو سکتی ہے۔ اب ایک کے رشتہ داروں کے دل دوسرے کے رشتہ داروں سے کٹ چکے ہیں۔ اور میاں کا دل بیوی سے پھر چکا ہے۔ اب صلح کی کوشش بالکل عبث ہے۔ مگر اب انہی میاں بیوی کے درمیان اتنی محبت ہے۔ کہ اسکی کوئی حد نہیں۔ میں اکثر ان سے پوچھا کرتا ہوں۔ بتاؤ صلح ہو سکتی تھی۔ کہ نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں۔ جانے بھی دیجئے۔ وہ تو ہماری

بے وقوفی کی بات

تھی۔

تو ایک وقت ایسا آیا۔ جبکہ وہ سمجھتے تھے۔ کہ ہمارے درمیان صلح بالکل ناممکن ہے۔ مگر اب وہ دنیا کے اچھے خوش جوڑوں میں سے ہیں۔ اور ان کے درمیان اچھی محبت اور پیار ہے اور ان کی دینی حالت بھی بہت کچھ سدھر گئی ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

گروہ بھی - اور ان کے رشتہ دار بھی اس مجلس میں یہی کہتے تھے۔ کہ اب دل پھٹ چکے ہیں - صلح کی کوششیں سب عبث ہیں - اور اب دوبارہ محبت کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتی - تو ایسے کیس میں نے بہت دیکھے ہیں - جہاں دوستیاں دشمنیوں سے اور دشمنیاں دوستی سے بدل جاتی ہیں - اسی لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا - کہ جب تم کسی سے محبت کرو - تو حد کے اندر کرو - کیا معلوم کل تم آپس میں دشمن بن جاؤ - اور جب کسی سے دشمنی کرو - تو حد کے اندر کرو - کیا معلوم کل تم آپس میں دوست بن جاؤ -

تو یہ جنہوں نے کہا ہے - کہ منافقت حکومت کی وجہ سے ہوتی ہے - بالکل غلط ہے - اور اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے - تو

حکومت سے مراد

فوجوں والی حکومت نہیں ہوگی - بلکہ اس سے مراد نظام ہوگا - چاہے وہ ایک آئینی نظام ہو - اور چاہے وہ ایک طبعی نظام ہو - جیسے دوستوں میں ایک رنگ کی حکومت ہوتی ہے یا جیسے چور اور ڈاکو اپنے میں سے ایک کو سردار سمجھ کر اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں - بے شک وہ بعض دفعہ باقاعدہ طور پر بھی اپنا لیڈر چن لیتے ہیں - لیکن بعض دفعہ آپ ہی آپ ایک کی برتری اور فوقیت کو تسلیم کر لیتے ہیں - چاہے یہ برتری عقل کی وجہ سے ہو - چاہے علم کی وجہ سے ہو - چاہے مال کی وجہ سے ہو - اور باقی آپ ہی آپ اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں -

میں نے کئی دفعہ مثال دی ہے - کہ انسانی طبیعت ان امور سے قطع نظر کرتے ہوئے جو انسانوں سے ہی مخصوص ہیں - اس معاملہ میں

بعض جانوروں سے مشابہت

رکھتی ہے - آج کل تو یہاں کتے بہت کم نظر آتے ہیں - حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بڑی کثرت سے کتے ہوتے تھے - اور جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بعض دفعہ یہ حکم دے دیا کرتے تھے - کہ آوارہ کتے مار دیئے جائیں - اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہر چھٹے ماہ یہ حکم دیا کرتے تھے - کہ آوارہ کتے مار دیئے جائیں - مگر اب ہمارے گھروں میں بہت کم کتا دکھائی دیتا ہے - میں نے بچپن میں کتوں کو کئی دفعہ آپس میں لڑتے دیکھا ہے اسی طرح بلیوں کو بھی دیکھا ہے - جب یہ آپس میں لڑتے ہیں - تو اپنی دُموں کو عجیب طرح حرکت دیتے اور انہیں اوپر اٹھا لیتے ہیں - آنکھیں ان کی باہر نکلی ہوئی ہوتی ہیں - اور وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تھوڑی دیر غُوں غُوں یا غُرغُر کرتے رہتے ہیں - اور کچھ وقت گزرنے کے بعد ایک کُتا دم دبا کر ایک طرف کو چل دیتا ہے - یا بلی دوسری کے مقابلہ سے ہٹ کر ایک طرف کو چل دیتی ہے - جس کے معنے یہ ہوتے ہیں - کہ اس نے اپنی ہار تسلیم کر لی - اب نہ ان میں لڑائی ہوتی ہے - نہ فساد ہوتا ہے - نہ ایک دوسرے کو زخمی کرتے ہیں - محض آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور تھوڑی دیر غُوں غُوں کرنے کے بعد ایک ان میں سے مقابلہ سے ہٹ جاتا ہے اسی طرح بلیاں کرتی ہیں - بلیاں حقیقی طور پر بہت کم لڑتی ہیں - اکثر وہ پیار سے ایک دوسری سے لڑتی ہیں -

دشمنی کی لڑائی

بلیوں میں بھی بہت کم ہوتی ہے - اور کتوں میں بھی بہت کم ہوتی ہے - جب وہ پیار سے لڑتے ہیں - تو بظاہر ایک دوسرے کو گراتے ہیں - لیکن ساتھ ہی ایک دوسرے کو پیار بھی کرتے جاتے ہیں - اور چاٹتے جاتے ہیں - مگر جب حقیقی طور پر لڑنے کا ارادہ کرے - تو بہت کم لڑائی ہوتی ہے - ایسا ہو سکتا ہے - کہ بعض دفعہ ایک زبردست کتا اچانک کمزور کتے پر پیچھے سے حملہ کر کے اسے زخمی کر دے مگر مقابل میں ٹک کر لڑائی ان میں بہت شاذ ہوتی ہے - اور وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں تاڑ جاتے ہیں - کہ کون کمزور ہے اور کون طاقتور - نتیجہ یہ ہوتا ہے - کہ کمزور دم دبا کر ایک طرف کو چل دیتا ہے - یہی حالت انسان کی ہے - مگر

انسان کی عقل طبعی

بہت کمزور ہو چکی ہے - اس کا علم ظاہری زیادہ ہو گیا ہے - مگر حس طبعی بہت کمزور ہو گئی ہے - اسی لئے جن چیزوں کو جانور پہچان لیتا ہے - انسان ان کو نہیں پہچان سکتا - جانوروں میں چونکہ علم اندرونی ہے - اسلئے ان کی اندرونی حس بہت تیز ہوتی ہے -

بیماریاں اور وبائیں

آنے والی ہوتی ہیں - تو کتے کئی کئی دن پہلے رونے لگ جاتے ہیں - نہ معلوم انہیں وبا کے کیڑے نظر آجاتے ہیں - یا سونگھنے سے انہیں پتہ لگ جاتا ہے - کہ اب وبا پھوٹنے والی ہے - اللہ ہی جانے - مگر بہر حال اس معاملہ میں ان کی عقل بڑی تیز ہوتی ہے - اسی طرح وہ قومیں جن کا ظاہری علم کم ہے - ان کی بھی باطنی حس بہت تیز ہوتی ہے - امریکہ کے ریڈ انڈینز کئی کئی میل سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سن لیتے اور یہ بتا دیتے ہیں - کہ کوئی سوار آرہا ہے - حالانکہ ان کے پاس کوئی دوربین نہیں ہوتی - وہ زمین کے ساتھ اپنا کان لگا دیتے اور دو دو تین تین میل سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سن لیتے ہیں - اور بتا دیتے ہیں - کہ کوئی لشکر آرہا ہے - اور وہ اتنے فاصلے پر ہے - جس سے معلوم ہوتا ہے - کہ انہیں زمین کے ساتھ کان لگا دینے سے کوئی ایسی حرکت محسوس ہوتی ہے - جسے دوسرے لوگ محسوس نہیں کر سکتے - تو

ظاہری علم کی وجہ سے

انسان کی باطنی حس بہت کم ہو گئی ہے - مگر پھر بھی ہے - گو اتنی نمایاں نہیں - جتنی جانوروں میں ہے - یہی وجہ ہے - کہ ایک کمزور انسان زبردست کی حکومت آپ ہی آپ تسلیم کر لیتا ہے - مگر اس حکومت میں کبھی کوئی ایسی بات بھی ہو جاتی ہے - جو اس کی طبیعت کے خلاف ہوتی ہے - اور جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا - نتیجہ یہ ہوتا ہے - کہ اگر وہ شریف ہو - تو الگ ہو جاتا ہے - جیسے حضرت موسےٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے اختلاف ہوا - تو آپ نے کہہ دیا -

هٰذا فراق بيني و بينك

حضرت موسےٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کیا - کہ انہوں نے اوپر سے دوستی رکھتے ہوئے حضرت خضر کے ٹبرّ میں فتنہ و فساد پھیلانا شروع کر دیا ہو - بلکہ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ جب ہماری آپس میں نہیں نبھ سکتی - تو بہتر ہے - ہم الگ الگ ہو جائیں - پس جب تک وہ اکٹھے رہے - وفادار رہے - اور جب جدا ہوئے - تو دیانتداری کے ساتھ جدا ہوئے - تو جو شریف آدمی ہوتے ہیں وہ تو یہ طریق اختیار کرتے ہیں - مگر جو کمینے لوگ ہوتے ہیں - وہ اندر ہی اندر منصوبے کرنے شروع کر دیتے ہیں - اور کہتے ہیں - یہ ایسے ہیں یہ ویسے ہیں -

تو منافقوں کا ہونا ہر قوم اور ہر سوسائٹی میں ممکن ہے - لیکن

نبیوں کی جماعتوں میں منافقوں کا ہونا ضروری ہے

کیونکہ منافقت شیطان کا حربہ ہے - اور شیطان سے بڑھ کر بھلا نبیوں کی جماعت کا اور کون دشمن ہو سکتا ہے - اور جب وہ نبیوں کی جماعت کا سب سے بڑا دشمن ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے - کہ وہ اور حربے تو استعمال کرے - مگر منافقت کے حربہ کو استعمال نہ کرے - یہ حربہ تو وہ ضرور استعمال کرے گا - اور اگر دوسری جگہ وہ اس حربہ کو اتفاقی چلاتا ہے - تو نبیوں کی جماعت میں منظم طور پر چلاتا ہے -

اس تمہید کے بعد میں بتانا چاہتا ہوں - کہ منافق کئی اقسام کے ہوتے ہیں - ہماری جماعت کو منافقین کے متعلق جو دھوکا لگا ہوا ہے - اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے - کہ وہ

منافق کی تعریف

نہیں سمجھتے - بسا اوقات جو تعریف ان کے ذہن میں ہوتی ہے - وہ اور ہوتی ہے - اور منافق کی تعریف اور ہوتی ہے - نتیجہ یہ ہوتا ہے - کہ وہ دھوکا کھا جاتے ہیں - اور منافق کو پہچان نہیں سکتے - کئی لوگ خیال کرتے ہیں - کہ منافق شاید نمازیں نہیں پڑھتے - اور اسی وجہ سے جب کسی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے - کہ وہ منافق ہے - تو کہتے ہیں - وہ منافق کس طرح ہو سکتا ہے - وہ تو بڑی نمازیں اور تہجد پڑھا کرتا ہے - حالانکہ یہ تو کوئی بات نہیں - ایک نمازیں پڑھنے والا بھی منافق ہو سکتا ہے - اور ایک

ذکر الٰہی کرنے والا

بھی منافق ہو سکتا ہے - پھر بعض لوگ سمجھتے ہیں - کہ منافق شاید چندے نہیں دیتے - اور اس وجہ سے جب انہیں کہا جائے - کہ فلاں منافق ہے - تو کہتے ہیں - وہ منافق کس طرح ہو سکتا ہے - معلوم ہوتا ہے تمہیں غلطی لگی ہے - وہ تو بڑے چندے دیا کرتا ہے - حالانکہ منافق کی ایک علامت یہ بھی ہے - کہ وہ نفاق کے ساتھ ساتھ چندے بھی دیتا ہے - تا اس کے افعال پر پردہ پڑا رہے - اور اگر کوئی اعتراض کرے - تو دوسرا اسے یہ کہکر خاموش کرا سکے - کہ یہ تو چندے دیا کرتا ہے - یہ کس طرح منافق ہو سکتا ہے - حالانکہ ایمان کسی ایک عمل کا نام نہیں - بلکہ مجموعۂ اعمال کا نام ایمان ہے - مگر تم ایک بات دیکھتے ہو - اور کہتے ہو چونکہ وہ نمازیں پڑھتا ہے - یا چونکہ وہ سچ بولتا ہے - اس لئے وہ منافق نہیں ہو سکتا - حالانکہ اول تو تمہیں کیا پتہ وہ سچ بول رہا ہے یا جھوٹ - دوسرے بعض ہوشیار لوگ ہوتے ہیں - جو کئی موقعوں پر سچ بول کر اپنی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صداقت کا لوگوں پر اثر ڈالتے ہیں۔ اور پھر درپردہ فتنہ و فساد بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہ سچ اسلئے نہیں بولتے۔ کہ انہیں سچ سے محبت ہوتی ہے۔ بلکہ اسلئے سچ بولتے ہیں۔ کہ ان کے اور جھوٹوں پر پردہ پڑا رہے۔ تو ایمان اس بات کا نام نہیں۔ کہ نمازیں پڑھ لیں۔ یا روزے رکھ لئے۔ یا حج کر لیا یا زکوٰۃ دے دی۔ یا سچ بول لیا۔ بلکہ چاروں جہت سے اپنے ایمان کے محل کو ہر قسم کے رخنوں سے محفوظ رکھنے کا نام ایمان ہے۔ بے شک

مومنوں میں بھی بعض کمزوریاں پائی جاتی ہیں

مگر وہ ان کی نیکیوں کے مقابلہ میں نہایت قلیل ہوتی ہیں۔ اور ان کے صدق کے اعمال بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن منافق اگر چندے بھی دیگا۔ تو منافقانہ طور پر اور اگر نمازیں بھی پڑھے گا۔ تو منافقانہ طور پر جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون۔ الذین ھم یراؤن۔ کہ ان نماز پڑھنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جو حقیقت نماز سے غافل رہتے ہیں۔ اور صرف دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں۔ اب اسجگہ یہ مراد نہیں۔ کہ وہ نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ بلکہ الذین یراؤن کہکر بتا دیا۔ کہ ہماری یہ مراد ہے کہ وہ دکھلاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں یعنی ان کا نمازوں سے یہ مقصد نہیں ہوتا۔ کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ بلکہ یہ مقصد ہوتا ہے۔ کہ لوگ انہیں نمازی سمجھیں۔ اور ان کی شرارتوں پر پردہ پڑا رہے۔ تم بے شک بعض دفعہ یہ سمجھ لیتے ہو۔ کہ یہ تو لمبی نمازیں پڑھنے والے ہیں۔ یہ منافق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ مگر ہم تمہیں بتاتے ہیں۔ کہ بے شک یہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ مگر ان نمازوں کا ان کے دلوں پر کوئی اثر نہیں۔ یہ محض دکھاوے کی نمازیں ہیں۔ اور غفلت سے مراد بھی نماز کو چھوڑ دینا نہیں۔ بلکہ حقیقت نماز سے عاری ہو کر نماز پڑھنا ہے۔ یہی حال چندے کا ہے بے شک چندہ دینا ایمان کی ایک علامت ہے۔ مگر سورۂ بقرہ میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ بعض لوگ چندے دیتے ہیں۔ مگر ریار کے لئے۔ اور وہ چندہ دینے کے باوجود منافق ہوتے ہیں۔ اگر چندہ کا دینا ہی ایمان ہوتا۔ اگر نمازیں پڑھنا ہی انسانی ایمان کی علامت ہوتی۔ تو قرآن کیوں کہتا۔ کہ بعض نمازیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ اور بعض چندہ دینے کے باوجود منافق ہوتے ہیں۔ صاف معلوم ہوا۔ کہ بعض چندہ دینے والے بھی منافق ہوتے ہیں۔ اور بعض نمازیں پڑھنے والے بھی منافق ہوتے ہیں۔ چندے دینے والے وہ منافق ہوتے ہیں۔ جو ریاء کے لئے چندہ دیتے ہیں۔ اور نمازیں پڑھنے والے وہ منافق ہوتے ہیں۔ جو کسی دنیوی مفاد یا عزت و مرتبت کے حصول کے لئے نمازیں پڑھتے ہیں۔ میں نے کئی ایسے لوگ دیکھے ہیں۔ جنہیں خفا ہو کر اگر ذرا ڈانٹا جائے۔ تو وہ باقاعدگی سے نمازیں پڑھنے لگ جائیں گے۔ زیادہ چندے دینے شروع کر دیں گے۔ اور یوں معلوم ہوگا۔ کہ وہ بڑے مخلص ہیں۔ مگر جب دیکھیں گے۔ کہ اب ہماری طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی ہے۔ تو پھر اپنی اصلی حالت پر آ جائیں گے۔ غرض منافقوں کی کئی اقسام ہیں۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ہماری جماعت کے دوست ان اقسام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور اسی لئے بعض دفعہ دھوکا کھا جاتے اور منافق کو پہچاننے سے قاصر رہتے ہیں۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ

منافقوں کی ایک قسم

وہ ہے۔ جن کے دل میں کبھی ایمان نہیں آتا۔ وہ کسی ڈر یا لالچ کے اثر کے ماتحت ایک مذہب میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ورنہ ایمان ایک دن بھی ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوتا۔ مثلاً فرض کرو۔ کسی کے تمام رشتے دار احمدی ہو گئے ہیں۔ اور صرف اکیلا وہی غیر احمدی رہ گیا ہے۔ یا کوئی گاؤں ہے۔ وہاں سب کے سب احمدی ہو گئے ہیں۔ اور صرف ایک یا دو آدمی علیحدہ ہیں۔ اب جس خاندان کے تمام افراد احمدی ہو چکے ہیں۔ صرف ایک ان سے علیحدہ ہے۔ وہ دل میں خیال کرتا ہے۔ کہ اگر میں علیحدہ رہا۔ تو کیا فائدہ۔ میرے تمام رشتہ دار مجھے بُرا بھلا کہیں گے۔ اور ہر وقت لڑائی جھگڑا رہے گا۔ آؤ اوپر سے احمدی ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ ڈر کر احمدی ہو جاتا ہے ورنہ ایمان اس کے اندر نہیں ہوتا۔ یا دیکھتا ہے۔ بیوی بھی ادھر چلی گئی۔ باپ بھی ادھر چلا گیا۔ بچے بھی ادھر چلے گئے۔ اب میں اکیلا ایک طرف کیا اچھا لگتا ہوں۔ اور چونکہ منافق دل کا کمزور ہوتا ہے۔ اور وہ مقابلہ کی قوت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ اس لئے وہ سمجھتا ہے۔ کہ بجائے مخالفت کے یہی بہتر ہے۔ کہ میں بھی اوپر سے احمدیت میں شامل ہو جاؤں۔ اور دل میں جو عقیدہ چاہے رکھوں۔ یا بعض دفعہ مثلاً احمدیت کا ایسا غلبہ ہوا۔ کہ گاؤں کا گاؤں احمدی ہو گیا۔ اب یہ سمجھتا ہے۔ گاؤں میں مجھ اکیلے کی کیا حیثیت ہوگی۔ اور مجھے ضرورت کیا ہے۔ کہ میں خواہ مخواہ سب سے لڑائی کرتا پھروں۔ چنانچہ وہ اس ڈر کے مارے احمدیت قبول کر لیتا ہے۔ مگر اندر سے وہ ویسا ہی بے ایمان ہوتا ہے۔ جیسے احمدیت میں داخل ہونے سے پہلے تھا۔ یا بعض دفعہ لالچ کے ماتحت بھی ایک انسان دوسرا مذہب اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً کوئی امیر احمدی زیادہ پُرجوش ہوا۔ اور اس نے چاہا۔ کہ وہ اپنے تمام نوکر احمدی ہی رکھے۔ اس پر ایک مخالف کو جو بھوکا مر رہا ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی احمدی کو نوکر رکھنا چاہتا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ جھٹ مرکز میں

بیعت کی ایک چِٹھی

لکھ دیتا ہے۔ اور جب ہماری طرف سے اسے جواب جاتا ہے۔ تو وہ اس خط کو سنبھال کر رکھ لیتا ہے۔ اور ہمیں کہتا ہے۔ احمدیت کی وجہ سے لوگوں نے مجھے سخت تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔ پہلے میرا اچھا گذارہ تھا۔ مگر احمدی ہو جانے کی وجہ سے کاروبار کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ اور میں بھوکا مر رہا ہوں۔ حالانکہ اس کا گذارہ پہلے بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔ اور پہلے بھی وہ بھوکا ہی مر رہا ہوتا ہے۔ مگر ہمیں دھوکا دینے کے لئے کہہ دیتا ہے۔ کہ پہلے میرا بڑا اچھا گذارہ تھا۔ مگر اب قبول احمدیت کی وجہ سے بھوکا مرنے لگا ہوں۔ میرے لئے

کسی نوکری کا انتظام

کر دیں۔ ہم اسے لکھتے ہیں۔ کہ ہمارے ذہن میں تو اس وقت کوئی جگہ نہیں۔ اگر کوئی جگہ نکلی۔ تو آپ کا خیال رکھا جائیگا۔ اس پر وہ لکھتا ہے۔ میں نے سنا ہے۔ فلاں احمدی اپنے ہاں ایک نوکر رکھنا چاہتا ہے۔ آپ اسے سفارشی چِٹھی لکھ دیں۔ اور میں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ہم اس کے دھوکا میں آ جاتے اور اس احمدی کے پاس اسکی سفارش کر دیتے ہیں۔ اور وہ اسے ملازم رکھ لیتا ہے۔ حالانکہ دل میں وہ پکا غیر احمدی ہوتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایک طبقہ ایسا تھا۔ جو قبیلے کے ڈر کی وجہ سے یا کسی لالچ کی وجہ سے اسلام قبول کر لیتا۔ مثلاً یہی لالچ ہوا۔ کہ اسلام ترقی کر رہا ہے۔ اگر ہم اس مذہب میں شامل ہو گئے۔ تو ہمیں عزت مل جائیگی۔ یا یہ دیکھا۔ کہ اپنے خاندان کا کوئی امیر آدمی جو پہلے ان سے حُسنِ سلوک کیا کرتا تھا۔ مسلمان ہو گیا ہے تو وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ تا وہ حُسنِ سلوک کو بند نہ کر دے۔ تو ڈر اور لالچ دونوں کی وجہ سے لوگ منافق بن جاتے ہیں۔ لیکن یہ ایسا طبقہ ہے۔ جس کے اندر ایمان ہوتا ہی نہیں۔ وہ داخل ہوتا ہے خوف یا لالچ کی وجہ سے ورنہ اس کے دل میں کفر ہوتا ہے۔ وہ کفر کی حالت میں پیدا ہوتا کفر کی حالت میں ہی اسلام میں داخل ہوتا۔ اور کفر کی حالت میں ہی مر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسی طبقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین۔ کہ اے ہمارے رسول کچھ لوگ تیرے پاس آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ ہم خدا اور یوم آخر پر ایمان لائے۔ اور خدا کا شکر ہے۔ کہ ہمیں ایمان نصیب ہو گیا۔ اور سمجھ آ گئی۔ کہ سچا راستہ کونسا ہے۔ فرماتا ہے وہ دعوےٰ تو یہ کرتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ وما ھم بمؤمنین۔ ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے۔ وہ صرف لالچ یا خوف کی وجہ سے آ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے آنے کی اور کوئی غرض نہیں۔ تو یہ

منافق طبقہ

آتا ہی اسی وجہ سے ہے۔ کہ یا اسے کسی چیز کی لالچ ہوتی ہے۔ یا کسی چیز کا خوف ہوتا ہے اگر چندے دیگا۔ تو ڈر سے یا لالچ سے۔ اگر نمازیں پڑھے گا۔ تو بھی ڈر سے یا لالچ سے۔ فرض کرو۔ اسے کسی احمدی کے پاس بیس روپے کی ملازمت مل گئی ہے۔ تو اب اگر یہ سوا یا ڈیڑھ روپیہ چندہ دے دیتا ہے۔ تو دل میں یہ سمجھ رہا ہوتا ہے۔ کہ پھر بھی میرے پاس ۱۸½ یا پونے انیس روپے تو بچ گئے۔ پس وہ چندہ اسلئے نہیں دیتا۔ کہ خدا اس سے راضی ہو جائے۔ بلکہ اس لئے دیتا ہے۔ کہ اسے اٹھارہ یا انیس روپے تو مل رہے ہیں۔ گویا وہ احمدیت میں داخل ہو کر کوئی دین کی خدمت نہیں کرتا۔ بلکہ اٹھارہ یا انیس روپے کماتا ہے۔ جیسے زمیندار جب زمین میں بیج ڈالتا ہے تو اس سے کئی گنا فصل کاٹتا ہے۔ اسی طرح وہ روپیہ یا سوا روپیہ چندہ دیتا اور ۱۸ یا ۱۹ روپے خود وصول کرتا ہے۔ پس وہ سمجھتا ہے۔ کہ یہ چندہ دینا میرے لئے کوئی گراں نہیں۔ کیونکہ اگر میں چندہ نہیں دوں گا۔ تو مجھے ملازمت سے الگ کر دیا جائے گا۔ اسی طرح منافق بعض

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دفعہ ڈر کی وجہ سے نماز پڑھتا یا روزے رکھتا یا حج کرتا۔ یا زکوٰۃ دیتا ہے۔ مثلاً فرض کرو۔ وہ کسی کا نوکر نہیں۔ بلکہ آزاد ہے۔ لیکن اس کے تمام رشتہ دار احمدی ہو چکے ہیں۔ تو اب اگر وہ نمازیں نہیں پڑھتا۔ یا روزے نہیں رکھتا تو سمجھتا ہے کہ یہ میری شکایت کریں گے۔ اور کہیں گے۔ بے دین ہو گیا۔ پس وہ ان کے ڈر کی وجہ سے نمازیں بھی پڑھ لیتا ہے۔ اور روزے بھی رکھ لیتا ہے۔ تا اسکی کمزور حالت پر پردہ پڑا رہے۔ اسی طرح وہ چندے دیتا ہے تا اس کے بھائی بند جوش میں نہ آئیں۔ اور وہ یہ نہ کہیں۔ کہ یہ ایماندار نہیں۔ مگر میں یہ اسی شخص کی نسبت کہتا ہوں۔ جس کے اندر اخلاص نہیں ہوتا۔ بعض لوگ یوں مخلص ہوتے ہیں۔ مگر کسی

سستی کی وجہ سے چندہ نہیں دیتے

ان لوگوں کا بیان نہیں ہے۔ کیونکہ میں ان لوگوں کو منافق نہیں سمجھتا۔ جیسے ایک گذشتہ خطبہ میں مَیں نے مثال دی تھی۔ کہ ایک جگہ جہاں بعض لوگ چندے میں سست تھے۔ ہم نے تحریک کی کہ بجائے مردوں کو کہنے کے ان کی عورتوں سے جا کر کہو۔ کہ وہ اپنے مردوں کو چندہ دینے کے لئے آمادہ کریں۔ چنانچہ ایک عورت کو جب ایسی تحریک کی گئی۔ تو اس کے بعد ایک دن جب اس کا خاوند گھر میں تنخواہ لایا۔ تو وہ کہنے لگی۔ میں یہ روپیہ نہیں لیتی۔ یہ حرام کا روپیہ ہے۔ وہ کہنے لگا۔ حرام کا روپیہ کس طرح ہو گیا۔ میں صبح سے شام تک کام کرتا ہوں۔ پھر کہیں مہینے کے بعد جا کر روپیہ ملتا ہے۔ یہ حرام کیونکر ہوا۔ وہ کہنے لگی۔ جب تک

خدا کا حق

اس میں سے ادا نہیں کرو گے۔ مَیں اسے استعمال نہیں کرونگی۔ اگر چاہتے ہو۔ کہ میں گھر کے اخراجات کے لئے اس روپیہ کو استعمال کروں۔ تو پہلے چندہ دے کر آؤ۔ اور مجھے رسید دکھاؤ۔ چنانچہ وہ گیا اور چندہ دے آیا۔ اس کے بعد اسکی ایسی عادت ہو گئی۔ کہ وہ تنخواہ گھر میں اس وقت تک نہ لاتا۔ جب تک کہ چندہ ادا نہ کر لیتا۔ تو یہ منافقت کی علامت نہیں۔ صرف کمزوری کی علامت ہے۔ ایسے آدمی کو اگر کوئی دوسرا نصیحت کرے گا۔ تو وہ دونوں اللہ تعالےٰ کے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ میری مراد اس جگہ منافق سے ایسے شخص سے ہے۔ جو دل سے

خدا تعالےٰ کی راہ میں

روپیہ خرچ کرنا پسند نہیں کرتا۔ وہ سست نہیں ہے۔ بلکہ دل میں یہ سمجھتا ہے۔ کہ اسلام کے لئے چندہ دینا بے فائدہ ہے۔ پس جو شخص یہ خیال کرتا ہے۔ اسکو مَیں منافق کہتا ہوں۔ ورنہ کمزوری ہونا اور چیز ہے۔ آخر سارے مومن ایک درجہ کے تو نہیں ہو سکتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کم سے کم حصہ وصیت کا ۱/۱۰ قرار دیا ہے۔ اب جو شخص ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہے۔ ہم اسے منافق نہیں کہتے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کسی کا کم ایمان ہے۔ اور کسی کا زیادہ۔ جس کے اندر تھوڑا ایمان ہے۔ اس نے دسویں حصہ کی وصیت کر دی۔ اور جس کے اندر زیادہ ایمان ہے۔ اس نے زیادہ کی وصیت کر دی۔ تو جس کو مَیں منافق کہتا ہوں۔ وہ وہی شخص ہے۔ جو دل سے چندہ دینا ناپسند کرتا۔ اور جس مذہب میں بھی وہ شامل ہے۔ اس کے لئے روپیہ خرچ کرنے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ میرا ان الفاظ کے کہنے سے یہ مطلب ہے۔ کہ

یہ ضروری نہیں منافق صرف سچے مذہب میں پائے جائیں

بلکہ ایک ہندو بھی منافق ہو سکتا ہے۔ ایک سکھ بھی منافق ہو سکتا ہے۔ اور ایک عیسائی بھی منافق ہو سکتا ہے۔ ہندو منافق وہ ہوگا جو ہندوؤں سے غداری کرے۔ سکھ منافق وہ ہوگا۔ جو سکھوں سے منافقت کرے۔ اور عیسائی منافق وہ ہوگا۔ جو عیسائیوں سے غداری کرے۔ ہاں جو سچے دین سے منافقت کرے گا۔ اس سے خدا بھی ناراض ہوگا۔ اور جو دوسروں سے منافقت کرے گا۔ اسے اس منافقت کا صرف دنیوی نقصان ہوگا۔ اور یوں اس کے اخلاق پر بھی بُرا اثر پڑے گا۔ اللہ تعالےٰ کی ناراضگی صرف اس کے اتنے فعل سے اسے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کا امتحان اصولی سچائیوں کی بنا پر ہوگا۔ نہ کہ تفصیلی احکام کی بنا پر۔

دوسری قسم کے منافق

قرآن کریم سے وہ معلوم ہوتے ہیں۔ جو اسلام کو سچا سمجھ کر اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ اور انہیں ابتدا میں یہی یقین ہوتا ہے۔ کہ یہ مذہب سچا ہے۔ مگر بعد میں ان کے دلوں میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ پہلی قسم کے منافق جو مَیں نے بتائے ہیں۔ ہماری جماعت کے بعض لوگ غلطی سے صرف انہی کو منافق سمجھتے ہیں۔ کسی اور کو نہیں۔ اسی لئے جب کسی کے متعلق یہ کہا جائے۔ کہ وہ منافق ہے۔ تو جھٹ کہہ دیتے ہیں۔ اس نے تو فلاں وقت اتنی قربانی کی تھی۔ وہ منافق کس طرح ہو سکتا ہے۔ مطلب ان کا یہ ہوتا ہے۔ کہ چونکہ اس نے فلاں وقت قربانی کی۔ اس لئے وہ منافق نہیں۔ حالانکہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک قسم منافقوں کی ایسی بھی ہے۔ جو ایمان اور اخلاص سے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ سلسلہ کے لئے مختلف رنگوں کی قربانیاں بھی کرتے ہیں۔ مگر پھر گر جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان منافقوں کا ذکر سورۃ توبہ میں کرتا ہے۔ فرماتا ہے۔ لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم (ع ۸/۱۴) فرماتا ہے۔ تم ہمارے سامنے عذر مت کرو۔ قد کفرتم بعد ایمانکم۔ ہم تصدیق کرتے ہیں۔ کہ پہلے تم بھی مومن تھے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد بعض رنجشوں۔ بدگمانیوں اور کمزوریٔ اعمال کی وجہ سے تمہارے دل پر زنگ لگتے لگتے آخر ایمان بالکل جاتا رہا۔ اور حالت یہاں تک پہنچ گئی۔ کہ اب تمہارے دل میں کوئی ایمان نہیں۔ یہاں اللہ تعالےٰ صاف طور پر فرماتا ہے۔ کہ کفرتم بعد ایمانکم۔ ایمان تم یقیناً لائے تھے۔ اور جس وقت تم خدا تعالےٰ کے سلسلہ میں داخل ہوئے تھے۔ اخلاص اور محبت سے داخل ہوئے تھے۔ اور اسی ایمان کے باعث تم نے نمازیں بھی پڑھیں۔ روزے بھی رکھے۔ چندے بھی دیئے۔ زکوٰۃ بھی دی۔ حج بھی کیا۔ قربانیاں بھی کیں۔ یہ ٹھیک بات ہے۔ ایمان جو تم لائے تھے۔ ایمان لانے کے بعد انسان ایسا ہی کیا کرتا ہے۔ مگر کسی وجہ سے (یہاں وجہ نہیں بتائی۔ وہ وجوہات اور جگہ بیان ہیں) ایمان لانے کے کچھ عرصہ بعد تم میں کفر پیدا ہونا شروع ہوا۔ اور ہوتے ہوتے تم منافق ہو گئے۔ اگر تم اسی وقت جب سے تمہارے دل میں کفر پیدا ہونا شروع ہوا تھا۔ کہہ دیتے۔ کہ ہم تم میں شامل نہیں رہنا چاہتے۔ ہمیں اب شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ تو ہم تمہیں منافق نہ کہتے۔ کافر کہتے۔ مگر چونکہ تم نے کفر کو ظاہر نہیں کیا۔ تم نے اپنے دلوں میں کہا۔ کہ اب جس فرقہ میں ہم مل گئے ہیں اسی میں ملے رہیں۔ اگر ہم علیحدہ ہوئے۔ تو ہماری سبکی اور ذلت ہو گی۔ اور تم ایک طرف تو یہ کہتے رہے۔ کہ ہم جماعت میں فتنہ نہیں ڈالنا چاہتے۔ اور دوسری طرف جب کوئی ملتا تو اسے کہتے۔ کہ جماعت میں یہ یہ خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ اس کے افراد نہایت گندے ہو گئے ہیں۔ ان کے اخلاق نہایت خراب ہو گئے ہیں۔

روحانیت اور ایمان ان میں سے بالکل جاتا رہا ہے۔ اس لئے اب ہمارا حق ہو گیا ہے۔ کہ ہم تمہیں منافق کہیں۔ تو یہ دوسری قسم منافقوں کی ہے۔ یہ ایسے احمق ہوتے ہیں۔ کہ ایک طرف اپنی مجالس میں

جماعت اور نظام کی خرابیاں

بیان کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف جب کوئی مومن ان سے ملے۔ اور کہے کہ آپ خلیفۃ المسیح تک بات کیوں نہیں پہنچاتے۔ تو وہ کہہ دیتے ہیں۔ ہم خواہ مخواہ بات بڑھانا نہیں چاہتے۔ ان کی مثال بالکل اس بے وقوف کی سی ہوتی ہے۔ جو ایک قتل کے مقدمہ کے سلسلہ میں ایک دفعہ کسی مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوا۔ تو مجسٹریٹ نے مقدمہ سننے کے بعد اسے پھانسی کی سزا کا حکم دے دیا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا۔ کہ میرے متعلق کیا فیصلہ ہوا ہے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ تجھے پھانسی کی سزا کا حکم ملا ہے۔ یہ سنکر وہ بولا۔ کہ اس سے تو موت کی سزا اچھی تھی۔ اسی طرح یہ لوگ کرتے ہیں۔ ایک طرف تو فتنہ کرتے جاتے ہیں۔ دوسری طرف

فتنہ کے خلاف اظہار نفرت

بھی کرتے جاتے ہیں۔ حالانکہ جس رنگ میں وہ برائیاں بیان کرتے ہیں۔ اسی کا نام تو فتنہ ہے۔ مگر جب ان سے کہا جائے۔ کہ خلیفۃ المسیح سے ان کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ تو بڑے مصلح بن جائیں گے۔ اور کہیں گے۔ ہم کوئی فتنہ پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ اگر شکایت کی۔ تو وہ کیا کہیں گے۔ ہماری جماعت میں بھی ایسے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ اُن کا مقصد اصلاح نہیں۔ بلکہ فتنہ پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اور اندر ہی اندر وہ اس لئے شرارتیں کرتے رہتے ہیں۔ کہ اگر علی الاعلان غیروں سے مل گئے۔ تو وہ کہیں گے۔ کہ اب جھک مار کر واپس آیا ہے۔ پہلے خیال نہیں آیا تھا۔ کہ ایسے لوگوں میں نہیں ملنا چاہیئے۔ پس وہ خدا کے لئے نہیں بلکہ اپنی عزت کے خیال سے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ یا اس وجہ سے شامل رہتے ہیں۔ کہ انہیں ایک سوسائٹی ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اور ان کے

دوستوں کا ایک حلقہ

ہوتا ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ اگر ہم علیحدہ ہوئے تو یہ سوسائٹی ہمارے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ یہ قدرتی بات ہے۔ کہ جب انسان پہلوں سے قطع تعلق کر کے آتا ہے۔ تو اسے نئی جماعت میں نئی سوسائٹی مل جاتی ہے۔ نئے محبت کرنے والے مل جاتے ہیں۔ نئے پیار کرنے والے مل جاتے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہیں۔ اور چونکہ ان کا چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں۔ کہ ظاہری طور پر ملے رہیں۔ اور اندرونی طور پر شرارتیں کرتے رہیں۔ پہلوں سے اگر انہوں نے قطع تعلق کیا تھا۔ تو اس لئے کہ اس وقت ان میں ایمان کی کشش تھی۔ اور اب اگر یہ قطع تعلق کرنے سے ڈرتے ہیں۔ تو اس لئے کہ ان میں نفاق ہوتا ہے۔ اور نفاق میں کوئی کشش نہیں ہوتی۔ جس شخص کے اندر ایمان پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے بھائیوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ اپنے عزیزوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس امر کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ کہ اس قطع تعلق کا اس پر کیا اثر پڑے گا۔ مگر جس کے اندر نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ وہ گناہ کی حالت میں ہوتا ہے۔

میں نے یہ بات اس لئے بیان کی ہے۔ تا کوئی شخص یہ خیال نہ کرے۔ کہ انہوں نے پہلے بھی تو اپنے قرابتیوں اور دوستوں کو چھوڑا تھا۔ پھر اب یہ کیوں چھوڑ نہیں سکتے۔ میں نے بتایا ہے۔ کہ پہلے انہوں نے اس لئے چھوڑا تھا۔ کہ ان کے اندر ایمان کی طاقت پائی جاتی تھی۔ مگر اب جو ان کے اندر تغیر پیدا ہوا ہے۔ وہ

نفاق کا تغیر

ہے۔

پس چونکہ اب ان کے اندر ایمان والی حالت نہیں ہوتی۔ اس لئے نئے دوست نئی برادری اور نئے رشتہ دار ان کو چھوڑنے بہت مشکل ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اسی طرح رہنے دو۔ اوپر سے ہم ملے رہتے ہیں۔ اور اندر سے منصوبے کرتے رہیں گے۔ تو فرماتا ہے۔ لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم۔ تم عذر مت کرو۔ بے شک کسی وقت تم مومن تھے۔ مگر اب تمہیں اسلام میں سو سو کیڑے نظر آتے ہیں۔ اور پہلے جن باتوں کو خوبیاں سمجھتے تھے۔ انہی کو اب عیب قرار دینے لگ گئے ہو۔ میں اس تغیر کی جو ایمان لانے کے بعد بعض لوگوں میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک وجہ بھی بتا دیتا ہوں۔ اور گو اور بھی اسکی وجوہ ہیں۔ مگر جو سب سے اقرب وجہ ہے اور جو میرے اس مضمون کو بالکل واضح کر دیتی ہے۔ میں وہ بیان کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ اسی سورہ توبہ میں فرماتا ہے۔ لو کان عرضا قریبا و سفرا قاصدا لاتبعوک ولکن بعدت علیہم الشقۃ۔ اس کے ایک ظاہری معنے یہ بھی ہیں۔ کہ چونکہ سفر لمبا تھا۔ اس لئے تم جہاد میں جانے سے رک گئے۔ مگر اس کے ایک باطنی معنے بھی ہیں۔ اور وہ یہ کہ یہ لوگ جو ایمان لائے۔ جب اس قسم کی پیشگوئیاں سنتے ہیں۔ کہ عنقریب اسلام تمام دنیا کو فتح کرے گا۔ سب بادشاہتیں مغلوب ہو جائیں گی۔ اور بڑے بڑے بادشاہ حلقہ بگوش اسلام بن جائیں گے۔ ہر طرف اسلامی پھریرا لہرائے گا۔ کفر پر موت آ جائیگی۔ اور فقر و فاقہ میں مبتلا رہنے والے مسلمان بڑی بڑی عزتوں کے مالک بن جائیں گے۔ تو چونکہ طبیعت میں حرص ہوتی ہے۔ اسلئے ان پیشگوئیوں کو تسلیم کر کے اور یہ دیکھ کر کہ بعض پیشگوئیاں تو پوری بھی ہو چکی ہیں کیا تعجب کہ دوسری پیشگوئیاں بھی ابھی پوری ہو جائیں۔ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ مذہب میں داخل کامل ایمان کی وجہ سے نہیں ہوتے۔ بلکہ لالچ کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اور دل میں یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ اسلام میں داخل ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہمیں بڑے بڑے عہدے مل جائیں گے۔ اور خبر نہیں ہم کیا سے کیا ہو جائیں گے۔ اس لئے ان کے ایمان کے ساتھ مخفی طور پر دل کا لالچ اور کبر اور غرور بھی شامل ہوتا ہے۔ پس ان کا ایمان مخلوط ہوتا ہے نفسانی حرص اور لالچ سے۔ یہ پیشگوئیاں سنتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ جب ہم نے اور پیشگوئیاں اپنی آنکھوں کے سامنے پوری ہوتی دیکھی ہیں۔ تو یہ پیشگوئیاں بھی بہر حال پوری ہوں گی۔ پھر جب وہ انبیاء اور ان کے خلفاء کو یہ کہتے سنتے ہیں۔ کہ بس عنقریب ترقی ہو جائیگی۔

بڑی بڑی حکومتیں اسلام میں آملیں گی

اور قرآن میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں۔ کہ وہ ساعت قریب آ گئی۔ بس تم اسے آئی سمجھو۔ تو یہ منافق بھی آ ملتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ جب آئی سمجھو۔ تو ہم بھی اپنا حصہ لینے کے لئے آ گئے ہیں۔ پھر چھ مہینے۔ سال۔ دو سال۔ چار سال۔ پانچ سال۔ دس سال۔ بیس سال گزرتے ہیں۔ اور وہ دیکھتے ہیں۔ کہ حکومت تو کوئی آئی نہیں۔ بس آئے روز یہی مطالبہ ہوتا ہے۔ کہ قربانی کرو۔ قربانی کرو۔

دین خطرے میں

ہے۔ اس کے لئے اپنی جانیں اور اپنے اموال قربان کر دو۔ تو ان کے قدم ڈگمگانے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ وہ وعدے کہاں گئے۔ جو فتوحات اور ترقیات کے متعلق ہم سے کئے گئے تھے۔ پہلے تو انہیں یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ ادھر اسلام قبول کیا۔ اور ادھر ہمیں

افغانستان یا ایران کی حکومت

مل جائے گی۔ یا اگر یہ نہ ہوا۔ تو کسی مہاجن کا خزانہ تو ضرور مل جائے گا۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوا۔ تو کوئی عہدہ تو ہاتھ سے جاتا ہی نہیں۔ ان امیدوں اور خیالوں کی وجہ سے وہ قربانیاں بھی کرتے ہیں۔ وہ مال بھی دیتے ہیں۔ وہ وقت بھی خرچ کرتے ہیں۔ وہ جانی قربانیاں بھی کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کیا ہوا۔ آج اگر ہم نے دس روپے دیئے۔ تو کل دس ہزار مل بھی جائیں گے مگر جب دو سال۔ چار سال۔ دس سال پندرہ سال۔ بیس سال گزر جاتے ہیں۔ اور وہ دیکھتے ہیں۔ کہ کوئی حکومت نہیں ملی۔ بلکہ جو کچھ پہلے ہمارے پاس تھا۔ وہ بھی خرچ ہو گیا۔ تو کہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ

مکر اور فریب

کیا گیا۔ جو مومن ہوتا ہے۔ وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ کل جو اسلام کی طاقت تھی۔ آج اس سے کئی گنا بڑھ کر ہے۔ پہلے اسلام کمزور تھا۔ پھر طاقتور ہو گیا۔ اور اب ہر روز اسکی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پس اس کا ایمان اسلام کی طاقت بڑھتے دیکھکر تازہ ہو جاتا۔ اور اس کا دل مسرت و انبساط سے بھر جاتا ہے۔ اور وہ کہتا ہے۔ خدا تعالےٰ کا کتنا بڑا احسان ہے۔ کہ وہ اسلام کو

ہر روز غلبہ

عطا فرما رہا ہے۔ اسی طرح جو سچے دل سے احمدی ہوتا ہے۔ وہ ہر سال کے خاتمہ پر دسمبر کے مہینہ میں یہی دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے۔ کہ اس سال خدا تعالےٰ کے فضل سے کئی ہزار آدمی اور احمدی ہو گئے ہیں۔ اور اس طرح اس کا ایمان لمحہ بہ لمحہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اور چونکہ اس نے احمدیت کو احمدیت کی خاطر قبول کیا ہوتا ہے۔ کسی لالچ یا حرص کے ماتحت قبول نہیں کیا ہوتا۔ اسلئے وہ جب یہ دیکھتا ہے کہ پچھلے سال اتنے احمدی تھے۔ اور اس سال اس سے بھی پانچ دس ہزار زیادہ ہو گئے ہیں۔ تو وہ سمجھتا ہے۔ کہ

اسلام جیت گیا

مگر جو منافق ہوتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے۔ کہ پہلے سال میں نے اتنا چندہ دیا۔ دوسرے سال اس سے بڑھ کر دینا پڑا۔ تیسرے سال اس سے بھی زیادہ دینا پڑا۔ اور چوتھے سال اس سے زیادہ۔ یہ حساب کر کے وہ کہتا ہے۔ اوہو! میں تو نقصان اور گھاٹے کی طرف جا رہا ہوں۔ میں نے سمجھا تھا۔ تھیلیوں کے منہ میرے لئے کھل جائیں گے۔ مگر یہاں تو اپنی جیب سے روپے خرچ کرنے پڑے۔ اور پھر بھی کچھ نہ بنا۔ پس

منافق اپنی جیب کی طرف دیکھتا ہے

اور چونکہ اس میں کمی ہو رہی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا ایمان جاتا رہتا ہے۔ لیکن مومن جماعت کی طرف دیکھتا ہے۔ اور چونکہ اس میں زیادتی ہو رہی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا ایمان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور وہ کہتا ہے۔ فتح تو آ رہی ہے۔ مگر یہ کہتا ہے۔ فتح نہیں آ رہی۔ اور دونوں اپنی اپنی جگہ سچے ہوتے ہیں۔ یہ جب کہتا ہے۔ فتح نہیں آ رہی۔ تو اس وجہ سے کہتا ہے۔ کہ یہ فتح مال کی زیادتی کو سمجھتا ہے۔ اور چونکہ اس کا مال کم ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مایوس ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ ہم سے جھوٹے وعدے کئے جاتے رہے ہیں۔ لیکن مومن فتح اسلام کی ترقی کو سمجھتا ہے۔ اور چونکہ اسکی ترقی میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ الحمد للہ۔ خدا کی باتیں پوری ہو رہی ہیں۔ تو یہ

دو مختلف نقطہ ہائے نظر

ہیں۔ جن کے ماتحت مختلف نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جو خدا کی رضاء اور اپنے ایمان کی سلامتی کے لئے جماعت میں داخل ہوتا ہے۔ وہ تو جماعت کی ترقی کو دیکھ کر یقین کر لیتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا فضل آ رہا ہے۔ مگر وہ جو اپنے نفس کی کسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے الٰہی سلسلہ میں داخل

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہوتا ہے۔ وہ پہلے تو قربانیوں میں شریک رہتا ہے۔ اور دو۔ چار۔ پانچ۔ دس۔ پندرہ بیس سال جتنا جتنا ایمان ہوتا ہے۔ اتنا عرصہ چلتا چلا جاتا ہے۔ مگر آخر حوصلہ ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ سب جھوٹ اور فریب ہے۔ تو فرماتا ہے۔ لوکان عرضاً قریباً۔ جس کام کے لئے تو کھڑا ہوا ہے۔ اس میں کئی آدمی لالچ اور حرص کے خیالات کے ماتحت شامل ہو گئے تھے۔ اب اگر ان کا مقصود انہیں جلدی حاصل ہو جاتا (عرضاً کے معنی مطلب اور فائدہ کے ہیں) یعنی اگر ان کا وہ فائدہ اور مطلب جس کے لئے وہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ سہل الحصول اور بالکل قریب ہوتا۔ وسفراً قاصداً اور سفر چھوٹا ہوتا۔ کئی سالوں کے بعد اسلام کی ترقی نہ آنے والی ہوتی۔ لاتبعوک تو وہ آخر تک تیرے ساتھ چلتے۔ اور اپنے عہد کو نباہ دیتے۔ ولکن بعدت علیھم الشقہ۔ لیکن چونکہ یہ سفر لمبا ہے۔ اور ابھی ختم نہیں ہؤا۔ اس وجہ سے وہ سمجھتے ہیں۔ کہ سب کچھ جھوٹ ہی ہے۔ اور پھر مرتد ہو جاتے ہیں یعنی اگر وہ ظاہر میں بھی مرتد ہو جائیں۔ تو کافر ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اندر ملے رہیں۔ تو منافق بن جاتے ہیں۔

منافقوں کی تیسری قسم

وہ ہے۔ جن کے اندر ایمان تو ہوتا ہے۔ مگر ساتھ ہی کفر بھی ہوتا ہے۔ اور اس ایمان اور کفر کے ان پر دَورے آتے رہتے ہیں۔ کبھی ایمان کا دَورہ آجاتا ہے۔ اور کبھی کفر کا دورہ آجاتا ہے۔ یہ عملی منافق ہوتے ہیں۔ انہیں عقائد کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ وہ منافق ہوں گے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسیح موعود بھی مانیں گے۔ گویا ان کا دماغ کہتا ہے۔ کہ عقائد وہی درست ہیں۔ جو اس جماعت کے ہیں۔ مگر چونکہ ان کے

دل کا لگاؤ اور محبت

کم ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے ان پر کفر اور ایمان کا دَورہ آتا رہتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں۔ یہ جماعت بہت بُری ہے۔ اس میں شامل رہنے سے کیا فائدہ۔ اور کبھی کہتے ہیں۔ اچھے لوگ ہیں۔ عقائد ان کے خوب ہیں۔ صرف فلاں فلاں باتیں اگر ان میں نہ پائی جائیں۔ تو پھر ٹھیک ہے۔ ایسے منافقوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں ان الفاظ میں فرماتا ہے۔ کلما اضاء لھم مشوا فیہ و اذا اظلم علیھم قاموا۔ چونکہ ان کے دل میں کفر اور ایمان ملا ہؤا ہوتا ہے۔ اس لئے گو یہ خدا کو مانتے اس کے رسول کو مانتے اور باقی ارکان اسلام کو بھی درست تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ان کا ایمان سرحد پر ہوتا ہے۔ کبھی انہیں ایسا دھکا لگتا ہے۔ کہ وہ کفر کی طرف جا پڑتے ہیں۔ اور کبھی ایسا دھکا لگتا ہے۔ کہ ایمان کی طرف آجاتے ہیں۔ چونکہ ان کا صرف

ذہنی ایمان

رہ جاتا ہے۔ محبت کا ایمان جاتا رہتا ہے۔ اس لئے ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اصل خوبی محبت کے ایمان میں ہی ہے۔ ذہنی ایمان میں نہیں۔ محبت کی مثال میں ہی بیان کیا کرتے ہیں۔ کہ کوئی بادشاہ تھا ایک دن وہ اپنے دربار میں ایک نہایت قیمتی ٹوپی لایا۔ اور کہنے لگا۔ آج ہم یہ ٹوپی اس بچے کو دیں گے۔ جو سب سے زیادہ خوبصورت ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ ٹوپی اس نے اپنے ایک حبشی غلام کو دی۔ اور کہا۔ کہ جو لڑکا سب سے زیادہ خوبصورت ہو۔ اس کے سر پر رکھ دو۔ اب ان لڑکوں میں حبشی کا اپنا لڑکا بھی تھا۔ اور امراء وزراء کے بھی لڑکے تھے۔ حبشیوں کی شکل یوں بھی خراب ہوتی ہے۔ مگر اس کا بچہ تو بہت ہی غلیظ اور گندہ تھا۔ ناک بہہ رہا تھا۔ آنکھوں میں گِد لگی ہوئی تھی۔ اور مکھیاں اس پر بھنبھنا رہی تھیں۔ مگر وہ حبشی نہایت بے تکلفی کے ساتھ اس ٹوپی کو اٹھائے سیدھا اپنے لڑکے کی طرف گیا۔ اور اس کے سر پر ٹوپی رکھ دی۔ یہ دیکھ کر سارے

دربار میں قہقہہ

لگا اور خوب اس سے ہنسی کی گئی۔ اور کہا گیا۔ کیا سب بچوں سے زیادہ خوبصورت تجھے اپنا بچہ ہی نظر آیا ہے۔ وہ کہنے لگا۔ بادشاہ سلامت آپ نے میرے ہاتھ میں ٹوپی دی تھی۔ اور مجھے تو سب سے زیادہ یہی خوبصورت نظر آتا ہے۔ تو جہاں محبت ہوتی ہے۔ وہاں عیوب بھی خوبیاں دکھائی دیتے ہیں۔ اور جہاں نفرت ہوتی ہے۔ وہاں عیوب تو الگ رہے۔ خوبیاں بھی عیب بن کر نظر آنے لگ جاتی ہیں۔ اب قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی انسان بے عیب نہیں۔ حتیٰ کہ بشریت کی کمزوریاں انبیاء میں بھی پائی جاتی ہیں۔ پس جب کوئی بھی بے عیب نہیں۔ تو کیا یہ جائز ہوگا۔ کہ سوائے خدا کے ہر ایک کی عیب چینی اور نکتہ چینی کی جائے۔ اگر نہیں۔ تو

خدا تعالےٰ کی قائم کردہ جماعتوں پر نکتہ چینی

کرنا بھی کسی صورت میں جائز نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ جب کسی کے دل میں محبت والا ایمان نہیں ہوگا۔ تو اسے خوبیاں بھی عیب نظر آئیں گے۔ لیکن جب کسی کا ایمان کامل ہوگا۔ تو وہ معمولی عیوب کو دیکھ کر سمجھے گا۔ کہ یہ لوگ قابل تحسین ہیں۔ نہ کہ لائق ملامت۔ کیونکہ یہ اس بات کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہ ان عیوب سے پاک ہو جائیں۔ اسکی ایسی ہی مثال ہے۔ جیسے ایک استاد بچے کو پڑھاتا ہے۔ تو بچہ کئی دفعہ غلطیاں بھی کرتا ہے۔ مگر وہ اسے سمجھاتا ہے۔ اور بار بار سمجھاتا ہے۔ اور جب سبق کا زیادہ حصہ وہ یاد کر لیتا ہے۔ اور ایک آدھ بات اسے یاد نہیں رہتی۔ تو اس پر خوش ہوتا ہے۔ ناراض نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے۔ بچہ کوشش کر رہا ہے۔ کہ مجھے سبق یاد ہو جائے۔ اگر ایک آدھ اس سے غلطی ہو گئی ہے۔ تو اسکی وجہ سے اسکی

محنت کو باطل اور رائگاں نہیں سمجھا جا سکتا

یہی حال خدمت دین کا ہے۔ اگر باوجود نیکی اور تقوےٰ کے میدان میں آگے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرنے کے بعض سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ تو کامل مومن تو سمجھتا ہے۔ کیا ہؤا۔ جب یہ چوبیس گھنٹے خدمت دین میں لگے رہتے ہیں۔ تو ایک آدھ غلطی اگر ان سے سرزد ہو جاتی ہے۔ تو اس سے کونسی قیامت آجاتی ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ ان کی یہ خواہش بھی ہے۔ کہ اتنی غلطی بھی آئندہ ہم سے سرزد نہ ہو۔ آخر ساری جماعت نمازیں پڑھتی ہے۔ روزے رکھتی ہے۔ زکوٰۃ دیتی ہے۔ چندے دیتی ہے۔ تبلیغ کرتی ہے۔ غریبوں کی مدد کرتی ہے۔ اتنی نیکیوں کے ہوتے ہوئے اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے۔ تو وہ سمجھتا ہے۔ یہ ایسی ہی غلطی ہے۔ جیسے بچہ سے تعلیم حاصل کرنے کے زمانہ میں ہو جاتی ہے۔ ایسے موقعہ پر عقلمند استاد ہمیشہ اسکی حوصلہ افزائی کرتا اور کہتا ہے۔ تو خوب ہوشیار ہے۔ اور اگر اس لڑکے کا باپ اسے مل جائے۔ تو اسے بھی وہ یہی کہتا ہے کہ آپ کا لڑکا بڑا ہونہار ہے۔ یہ نہیں کہتا۔ کہ آپ کا لڑکا بڑا نالائق ہے۔ میں نے دس سوال دیئے تھے۔ ان میں سے نو اس نے حل کر لئے۔ مگر ایک حل نہ کر سکا۔ وہ سمجھتا ہے۔ جب اس نے نو سوال حل کر لئے ہیں۔ تو یہی اسکی بڑی ذہانت ہے۔ بقیہ ایک سوال بھی آہستہ آہستہ حل کر لیگا اسی طرح جو مومن ہوتا ہے۔ اسے تو یہ نظر آتا ہے۔ کہ جماعت نیکی اور تقوےٰ اور قربانیوں اور دین کی خدمت میں لمحہ بہ لمحہ بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اور جو کمزوریں۔ وہ بھی اپنی کمزوری کو ناپسند کرتے اور اس بات کے خواہشمند ہیں۔ کہ کسی طرح یہ کمزوریاں ان سے دور ہو جائیں۔ یہ

اللہ تعالےٰ کے سپاہی

ہیں۔ جو اسکی راہ میں لڑ رہے ہیں۔ سپاہی کا کام یہ ہے۔ کہ وہ لڑے۔ اگر کوئی دشمن اسے قتل کر دیتا ہے۔ تو اس میں سپاہی کا کیا قصور ہے۔ اس کا زیادہ سے زیادہ یہی کام تھا۔ کہ مرتے دم تک دشمن سے لڑائی کرتا۔ سو جب اس نے مرتے دم تک دشمن سے لڑائی رکھی۔ اور آخر اسی لڑائی میں اپنی جان دے دی۔ تو اب وہ عزت کا مستحق ہو گیا۔ یہ نہیں ہوگا۔ کہ افسر اسے بُرا بھلا کہیں۔ کہ یہ دشمن کے مقابلہ میں مر کیوں گیا؟ اسی طرح مومن جب دیکھتا ہے۔ کہ جماعت کے لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ حج کرتے ہیں۔ قربانیاں کرتے ہیں

استغفار پڑھتے ہیں

دعائیں کرتے ہیں۔ اور باوجود اس کے کوئی خطا بھی ان سے سرزد ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس خطا کا ازالہ کرنے کے لئے تیار رہتا اور کوشش کرتا رہتا ہے۔ تو وہ ان خطاؤں کو ایسا ہی سمجھتا ہے۔ جیسے میدانِ جنگ میں لڑنے والا سپاہی بعض دفعہ دشمن کے مقابلہ میں مارا جاتا ہے۔ اب یہ نہیں ہوتا۔ کہ جو سپاہی دشمن سے لڑتا ہؤا مارا جائے۔ اسے فوج والے کوڑے لگانے شروع کر دیں۔ اور کہیں۔ کہ اس نے ہماری ہتک کی۔ بلکہ وہ اسکی عزت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جو کچھ کر سکتا تھا۔ اس نے کر دیا۔ اگر دشمن اس پر وار کرنے میں ایک دفعہ کامیاب ہو گیا ہے۔ تو اس میں اس کا کیا قصور ہے۔ اس کا کام صرف اتنا تھا۔ کہ بچنے کی کوشش کرتا۔ اور دشمن پر غالب آنے کی جدوجہد کرتا۔ جب اس نے یہ دونوں کام کر لئے۔ تو نتیجہ کا وہ ذمہ وار نہیں۔ اسی طرح جب کوئی قوم رات دن دین کی خدمت میں مشغول رہتی ہے۔ رات دن بنی نوع انسان کی بہبودی کے کاموں میں معروف رہتی ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

رات دن اللہ تعالےٰ کے نام کو بلند کرنے اور اس کا جلال دنیا میں قائم کرنے کے لئے کوشاں رہتی ہے۔ تو اگر ان سب کوششوں کے ساتھ کوئی غلطی بھی کسی مومن سے ہو جاتی ہے۔ تو وہ جماعت کی جدوجہد اور قربانیوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اور اس کمزوری کو وہ نظر انداز کر دیتا ہے جیسے اگر کوئی بیمار ہو۔ اور لڑائی کی خبر سنکر وہ بیماری کے باوجود چارپائی سے اٹھ کر میدان میں چلا جائے اور لڑنا شروع کر دے۔ تو چاہے وہ ایک گھنٹہ میں ایک ہی گولی چلائے۔ تب بھی تم سب اسکی تعریف کرو گے۔ اور کہو گے۔ یہ بیمار تھا۔ مگر پھر بھی اس نے اس موقعہ سے پیچھے ہٹنا مناسب خیال نہ کیا۔ تو مومن نگاہ تو یہ کہتی ہے۔ کہ میرے بھائی میں اگر ایک عیب ہے۔ تو سو خوبیاں بھی تو ہیں۔ اس ایک کمزوری کے باوجود یہ خدا تعالےٰ کی رضا کے لئے شیطان سے جنگ کر رہا ہے۔ اور اس قابل ہے۔ کہ اسے سراہا جائے۔ اور اسکی خدمات کی تعریف کی جائے۔ مگر جو منافق ہوتا ہے۔ اس کا قلبی لگاؤ چونکہ نہیں ہوتا۔ اور محبت کا تعلق اسے سلسلہ سے نہیں رہتا۔ اس لئے وہ اس قسم کی بعض کمزوریوں کو دیکھ کر یہ کہنے لگ جاتا ہے۔ اب پتہ لگا! ان میں بھی فلاں فلاں عیب ہیں۔ ان میں بھی یہ نقص پایا جاتا ہے۔ اور چونکہ اب اس میں کچھ غیریت آنے لگ جاتی ہے۔ اس لئے اب وہ اپنی

جماعت کا ذکر "ان ان" کے الفاظ میں

کرنے لگ جاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ ان میں یہ نقص ہے۔ ان میں وہ عیب ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ جماعت کو غلبہ حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ترقیات ملنی شروع ہو جاتی ہیں۔ طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور جماعت کی کمزوریاں دب جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں منافق بھی ساتھ چل پڑتے ہیں۔ اسکی ایسی ہی مثال ہے۔ جیسے جلسوں میں بعض دفعہ جب نعرے لگائے جاتے ہیں۔ تو چونکہ ایک رو جاری ہوتی ہے۔ اس لئے جب اللہ اکبر کا نعرہ لگے گا۔ تو ایک منافق بھی زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگا دے گا۔ مگر جب اپنے گھر میں جائیگا۔ تو چونکہ وہاں وہ رو نہیں ہو گی۔ اس لئے وہ اپنے دل کو جذبات محبت سے بالکل خالی پائیگا۔ مجھے ان منافقین کی مجالس کی باتوں کا علم ہے۔ مجھے معلوم ہے۔ کئی دفعہ ان میں یہ ذکر ہوتا ہے۔ کہ بعض لوگ میری نسبت یہ کہتے ہیں۔ یہ عجیب قسم کا آدمی ہے۔ ہے تو بالکل بُرا۔ مگر جب تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ تو ایسی تقریر کرتا ہے۔ کہ ہمیں بھی اسکی باتیں سچی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ مگر جب ہم اپنے گھر میں آکر ان باتوں پر غور کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ بالکل جھوٹی ہیں۔ یہی اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کہ کلما اضاء لھم مشوا فیہ و اذا اظلم علیھم قاموا۔ جب دین ان پر زور سے حملہ کرتا ہے۔ تو انہیں بھی کچھ روشنی نظر آنے لگ جاتی ہے۔ اور وہ خیال کرنے لگتے ہیں۔ کہ یہ باتیں جو پیش کی جاتی ہیں سچی ہیں۔ و اذا اظلم علیھم۔ مگر جب وہ خدا کے نور اور اس کے خلیفہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ تو قاموا پھر منافقت ان میں آجاتی ہے یا اس کے یہ بھی معنے ہیں۔ کہ ترقی اور آرام کا زمانہ آئے۔ تو ساتھ شامل رہتے ہیں۔ مگر جب

قربانیوں کا وقت

آجائے۔ تو پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ مگر ان کے دلوں میں ایک حد تک ایمان ضرور ہوتا ہے۔ انہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کہ فی قلوبھم مرض۔ ان کے دلوں میں ایمان بھی ہے۔ مگر ساتھ ہی ایک مرض بھی ہے۔ یعنی گو ان کے اندر ایمان پایا جاتا ہے۔ مگر ان کے دل مریض ہیں۔ عربی زبان کے لحاظ سے فی قلوبھم مرض کے یہ معنی بنیں گے۔ کہ یوں ایمان ان کے دلوں میں ہے۔ مگر ایک مرض بھی ہے۔ ایمان کلیۃً ان کے دلوں سے گیا نہیں۔

چوتھی قسم کا منافق

وہ ہوتا ہے۔ جو یوں تو پکا مومن ہوتا ہے۔ مگر اس کے اندر یہ کمزوری ہوتی ہے۔ کہ وہ ناواجب دوستی کرتا ہے۔ یوں وہ مومن ہوتا ہے۔ اور پکا مومن۔ مگر ناواجب دوستی کے مرض میں وہ مبتلا ہوتا اور اپنے منافق دوست کو نہیں چھوڑ سکتا۔ بلکہ اس محبت کے جوش میں اسے اپنے دوست کا عیب بھی نظر نہیں آتا۔ ممکن ہے۔ اسے عیب نظر آجائے۔ تو وہ اسے چھوڑ دے مگر اس کا دل ایسی غلط محبت کا شکار ہو چکا ہوتا ہے۔ جیسے عشق کا جنون بعض لوگوں کو ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے منافق دوست کے عیب کو نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر وہ یہ کرتا ہے۔ کہ اس کے عیب کو خوبیاں سمجھتا ہے۔ جیسے سورہ توبہ رکوع ۷ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ لو خرجوا فیکم ما زادوکم الا خبالا و لا وضعوا خلالکم یبغونکم الفتنۃ۔ و فیکم سماعون لھم واللہ علیم بالظالمین۔ فرماتا ہے اگر یہ منافق لوگ تیرے ساتھ چلے بھی جاتے۔ تو فساد پیدا کرنے کے سوا اور کیا کرتے۔ ان کا بڑا کارنامہ یہی ہوتا۔ کہ کسی کے آگے کچھ کہہ دیتے۔ اور کسی کے آگے کچھ۔ اور اس طرح ان میں

لڑائی اور پھوٹ ڈال دیتے

یا اگر لڑائی میں جاتے۔ تو دشمن کو خبریں پہنچاتے رہتے۔ تو فرمایا۔ اگر منافق نہیں گئے۔ تو اس سے نقصان کیا ہوا۔ یہ تو اچھا ہوا۔ کہ نہیں گئے۔ یہ جاتے بھی تو یہی کرتے۔ کہ ایک کی چغلی دوسرے کے پاس اور دوسرے کی چغلی تیسرے کے پاس کرتے۔ ایک کے پاس جاتے اور اسے کہتے۔ کہ تیری نسبت فلاں شخص یوں کہتا ہے۔ اور اس کے پاس جا کر کہتے۔ کہ تیری نسبت فلاں یہ کہہ رہا تھا۔ اور اس طرح آپس میں لڑائیاں کرا دیتے۔ پس اچھا ہی ہوا۔ جو یہ نہیں گئے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ منافق کوئی باہر کے نہیں تھے۔ بلکہ مدینہ کے رہنے والے ہی تھے۔ چنانچہ آیتوں کا مضمون صاف بتاتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جنگ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ تو مدینہ ہی سے کچھ لوگ اس جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ انہی کا خدا تعالےٰ نے ان آیات میں ذکر کیا ہے۔ اور انہی کو منافق قرار دیا ہے۔ پس یہ منافق وہی تھے۔ جو مدینہ میں رہتے تھے۔ مسلمانوں کی کمیٹیوں کے ممبر تھے۔ اور محلوں میں ان کے ساتھ رہتے تھے۔ اس کے بعد فرماتا ہے۔ یہ منافق تو ہیں ہی۔ مگر ان کے علاوہ بھی ایک اور جماعت ہے۔ و فیکم سماعون لھم تم میں ایک جماعت ہے۔ جو تمہاری باتیں ان تک پہنچاتی ہے۔ جب ذکر ہوتا ہے۔ کہ فلاں شخص منافق ہے۔ تو وہ جھٹ دوڑ کر اس کے پاس پہنچتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ تم تو اتنے مخلص ہو۔ مگر دیکھو فلاں مجلس میں تمہاری نسبت لوگ یہ کہہ رہے تھے۔ کہ تم منافق ہو۔ ایسا شخص منافق نہیں ہوتا۔ مگر

منافق کی سواری

ضرور ہوتا ہے۔ اور منافق اس کے ذریعہ اپنے مقصود کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے یا جیسا کہ سورہ احزاب میں اللہ نے ان کا نام مرجفون فی المدینۃ رکھا ہے۔ کہ منافق بات کرتا ہے۔ اور یہ اسکی بات کو پھیلا دیتا ہے اور اگر مومن کوئی بات کریں۔ تو ان کی بات منافقوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ تم تو بڑے اچھے ہو۔ مگر ان لوگوں کو نہ معلوم کیا ہو گیا ہے۔ کہ وہ خواہ مخواہ تمہیں بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ یہ آپ منافق نہیں ہوتا۔ مگر منافق تک خبریں پہنچائے بغیر بھی نہیں رہتا۔ دوسری بات اس میں یہ پائی جاتی ہے۔ کہ منافقوں کے اعتراضات کو پھیلاتا رہتا ہے۔

منافق کہتا ہے جماعت خراب ہو گئی

اور یہ طوطے کی طرح اس فقرہ کو رٹنا شروع کر دیتا ہے۔ اور جہاں بیٹھتا ہے۔ کہتا ہے۔ جماعت خراب ہو گئی۔ جماعت خراب ہو گئی۔ پس یہ مومن تو ہے۔ مگر بے وقوف اور جاہل مومن ہے۔ ایسا مومن ہے۔ جو منافقوں کا ہتھیار ہے۔ جب اس قسم کی باتیں کرنے کے نتیجہ میں گرفت کی جاتی ہے۔ تو پکڑا یہ بے وقوف مومن جاتا ہے۔ جو منافق کی بات طوطے کی طرح رٹ کر ہر شخص کے آگے بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اور منافق دندناتا پھرتا ہے۔ کیونکہ منافق کا کام یہی ہے۔ کہ یوسوس فی صدور الناس۔ وہ سینہ میں وسوسہ ڈالدیتا اور آپ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ تو یہ چوتھی قسم کا منافق ہے۔ اور گو یہ اصل میں مومن ہوتا ہے۔ مگر اس کے اندر نفاق سے ہمدردی اور منافقوں کی دوستی پائی جاتی ہے اس وجہ سے یہ بالکل ایمان کے کنارے پر کھڑا ہوتا ہے۔ بالکل ممکن ہے۔ یہ مومن ہی رہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ کبھی کوئی اسے ایسا دھکا لگے۔ کہ خود بھی نفاق کے گڑھے میں گر جائے۔ اور اگر خود منافق نہ بھی بنے۔ تب بھی بعض دفعہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ منافقوں کی سزا پا لیتا ہے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے۔ لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ دیکھو۔ ظالموں کی طرف مت جھکو۔ ورنہ تمہیں بھی آگ چھو جائیگی۔ یہ آیت بتاتی ہے۔ کہ وہ جو ظالم نہیں وہ بھی بعض دفعہ ظالم کی دوستی کی وجہ سے جہنم میں چلے جاتے ہیں۔ پس یہ گروہ ایمان کے لحاظ سے منافق نہیں ہوتا۔ مگر

منافقوں کی دوستی

اس کا شعار ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے زمرۂ منافقین میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ وہ چار قسم کے منافق ہیں۔ جن کا قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے اب اگر تم ان چاروں کو مد نظر رکھو۔ تو تمہیں کبھی دھوکا نہیں لگ سکتا۔ لبا اوقات صرف اتنا سمجھا جاتا ہے۔ کہ منافق وہ ہوتا ہے۔ جو ایمان کے بغیر داخل ہوتا ہے۔ یا منافق وہ ہوتا ہے۔ جو گو ایمان کے ساتھ ہی سلسلہ میں داخل ہوا ہوتا ہے۔ مگر بعد میں کلی طور پر اس کے دل سے ایمان نکل جاتا ہے۔ حالانکہ یہ صرف منافقوں کی دو قسمیں ہیں۔ ورنہ ان کے علاوہ بھی منافقوں کی اور قسمیں ہیں۔ مثلاً ایک تو وہ منافق ہے۔ جو عقائد میں ہمارے ساتھ متحد ہوتا ہے۔ مگر اس کے دل میں بشاشتِ ایمان باقی نہیں رہتی۔ اب اس کا کام صرف اتنا ہے۔ کہ وہ اعتراض کرتا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

رہتا ہے۔ جب اسے فائدہ پہنچیگا۔ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیگا۔ اور جب اسے کوئی نقصان پہنچے گا۔ وہ اعتراض کرنے لگ جائیگا۔ قرآن کریم میں ان کا بڑا لطیف نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جب لڑائی میں نقصان ہوتا ہے۔ تو منافق کہتے ہیں۔ ہم نے پہلے ہی کہا تھا۔ کہ لڑائی نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر ہماری بات تو کوئی سنتا ہی نہیں۔ ہم بہتیرے چیخے چلائے۔ کہ دیکھو لڑائی کے لئے مت جاؤ۔ مگر ہماری ایک بھی نہ سنی گئی اس پر کمزور دل مومن سمجھتا ہے۔ انہوں نے کہا تو ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ یہ سچ کہتے ہیں۔ اور وہ یہ نہیں جانتا۔ کہ انہوں نے محض مسلمانوں کو کمزور کرنے اور ان کے ارادوں کو پست کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے تھے۔ خیر خواہی اور محبت کے لئے نہیں کہے تھے۔ تو کمزور ایمان والے منافقوں کی ایسی باتوں میں آجاتے ہیں۔ اور ان کو مخلص سمجھکر ان سے تعلقات رکھنے شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ

منافق عملی طور پر سخت کمزور ہوتے ہیں

اور اپنی عملی کمزوری کی وجہ سے ہی جماعت کی ترقی میں ہمیشہ روکیں ڈالتے رہے ہیں۔ جہاں قربانی کا سوال آتا ہے۔ وہاں یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ کہ قربانیوں سے جماعت کی طاقت کو برباد کیا جا رہا ہے۔ اور کمزور لوگ سمجھتے ہیں۔ ان کے دل میں سلسلہ کا کس قدر درد ہے۔ اور اگر کبھی کوئی قربانی نتیجہ خیز نہ ہو۔ بلکہ جماعت کو اسکی وجہ سے کچھ نقصان پہنچ جائے۔ تو پھر تو پھولے نہیں سماتے۔ اور کہتے ہیں۔ ہم نے نہیں کہا تھا۔ اس قسم کی قربانیاں بے فائدہ ہیں۔ حالانکہ جہاں جماعت کو دس بیس کامیابیاں ہوئی تھیں۔ وہاں انہوں نے کونسا مشورہ دیا تھا۔ مگر جب کامیابی ہو۔ تو اس وقت تو منافق بالکل خاموش رہتا ہے۔ اور جب کوئی ناکامی ہو۔ تو بڑھ بڑھ کر باتیں شروع کر دیتا ہے۔ صاف پتہ لگتا ہے۔ کہ اسکی غرض محض جماعت کو بدنام کرنا ہے۔ اور کوئی نہیں۔ اور اگر فرض بھی کرو۔ کہ ایک کام کا نتیجہ اتنا اچھا نہیں نکلا۔ جس قدر اچھے نتیجہ کی ہمیں توقع تھی۔ تو اس سے حرج کونسا ہوا۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتا۔ کہ رات دن جماعت ترقی کر رہی ہے۔ اور ہر روز اس کا قدم عزت اور شرف کے میدان میں آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ اب جن باتوں میں ہمیں کامیابی ہو رہی ہے۔ کیا وہ باتیں ہم نے منافقوں سے پوچھ کر کی تھیں۔ کہ نقصان کے موقعہ پر وہ اپنی ہمدردی جتانے کے لئے آگے آجاتا ہے۔ مگر اسکی فطرت میں یہ بات داخل ہوتی ہے۔ کہ جب کوئی نقصان ہو۔ تو پھر اپنی خیر خواہی جتانے لگ جاتا ہے۔ اور جب

کامیابیاں ہی کامیابیاں حاصل ہوں۔ تو دل ہی دل میں جل بھن کر خاموش رہتا ہے۔ اسی طرح جن جن امور میں اسکی باتیں غلط ثابت ہوتیں اور جن قربانیوں کے متعلق اسکی رائے بالکل بیہودہ ثابت ہوتی ہے۔ انہیں تو کھا جاتا ہے۔ مگر جب کوئی ایک آدھ بات درست نکلے۔ تو اسے لے بیٹھتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ میں نے نہیں کہا تھا۔ کہ اس سے نقصان ہوگا۔

تو چوتھی قسم کا منافق وہ ہے۔ جو پورا مومن ہوتا ہے۔ مگر منافق اس کے دوست ہوتے ہیں۔ اور ان کی غلط دوستی اختیار کر لینے کی وجہ سے سلسلہ کو اسکی وجہ سے نقصان پہنچتا ہے۔ اور اسے اپنے منافق دوست کی غلطی محسوس تک نہیں ہوتی۔ اور وہ باوجود مومن ہونے کے مومنوں پر عیب لگاتا ہے۔ مومن خدا کی بات کہتا ہے۔ تو وہ جھٹ بول اٹھتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ دیکھو کسی پر بدظنی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کے مقابلہ میں منافق اعتراض کرتا ہے۔ تو وہ بیٹھا ہوا کہہ رہا ہوتا ہے سبحان اللہ کیسا مخلص ہے۔ سلسلہ کا اس کے اندر کتنا درد ہے۔ تو دوستی کی وجہ سے منافق کی بُری بات بھی اسے اچھی لگتی ہے۔ اور مومن کی اچھی بات بھی اسے بُری لگتی ہے۔ وہ ہوتا مومن ہے۔ مگر نام اس کا منافقوں میں ہوتا ہے۔ اور لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے کبھی کبھی وہ اسکی سزا بھی پا لیتا ہے۔ اگر آپ لوگ میری اس تشریح کے بعد سمجھ لیں۔ کہ

منافقین کے چار گروہ ہوتے ہیں

تو میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ بہت حد تک آپ غلط فہمیوں سے بچ جائیں۔ اب کئی دوستوں کو محض اس وجہ سے دھوکا لگ جاتا ہے۔ کہ جب انہیں معلوم ہوتا ہے۔ فلاں شخص منافق ہے تو وہ یہ دیکھتے ہیں۔ کہ آیا وہ وفات مسیح کا قائل ہے۔ یا نہیں۔ یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی مانتا ہے یا نہیں۔ یا خلافت کا قائل ہے یا نہیں۔ اور جب وہ دیکھیں۔ کہ وہ وفات مسیح کا بھی قائل ہے۔ وہ صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ وہ خلافت کا بھی قائل ہے۔ تو کہتے ہیں ہمارے بھائیوں کو غلطی لگی ہے۔ وہ منافق نہیں ہے۔ وہ تو تمام عقائد کو تسلیم کرتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کہتا ہے۔

فی قلوبھم مرض

یوں تو وہ مومن ہی ہیں۔ مگر ان کے دلوں میں ایک مرض ہے۔ کلما اضاء لھم مشوا فیہ جب کبھی سہولت اور آرام کا زمانہ آتا ہے۔ تو آگے

آگے چل پڑتے ہیں۔ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہیں۔ واذا اظلم علیہم قاموا مگر جہاں کوئی امتحان کا وقت آیا۔ اور انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ قاموا وہ اس وقت کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ ہمارا دل نہیں مانتا کہ ان قربانیوں سے کوئی فائدہ ہو۔ ایسے انسان کو اگر عقائد کے لحاظ سے تم دیکھو گے۔ تو ضرور دھوکہ کھاؤ گے۔ اور دوسروں کے لئے بھی ٹھوکر کا موجب بنو گے۔ بلکہ میں کہتا ہوں۔ ایمان ہی نہیں۔ عمل کو بھی اگر دیکھو گے۔ تو تم یہ اندازہ نہیں لگا سکو گے۔ کہ یہ منافق ہے۔ وہ نمازیں بھی پڑھے گا۔ وہ روزے بھی رکھیگا۔ وہ زکوٰۃ بھی دے گا۔ وہ حج بھی کریگا۔ وہ چندے بھی دیگا۔ وہ تبلیغ بھی کرے گا۔ وہ قربانیوں کے مطالبات میں بھی شامل ہوگا۔ وہ جلسوں میں تقریریں بھی کرے گا۔ اسی طرح وہ عقائد میں ہمارے ساتھ متحد ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالےٰ کا مامور سمجھے گا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرے گا۔ قرآن کریم کو سچا سمجھے گا۔ خدا کو واحد اور لاشریک تسلیم کرے گا۔ غرض عقیدہ بھی اس کا وہی ہوگا۔ جو تمہارا ہے۔ اس کا عمل بھی وہی ہوگا جو تمہارا ہے۔ مگر جو چیز اس کے اندر منافقت ثابت کر رہی ہوگی۔ وہ یہ ہے۔ کہ وہ

اسلام کے دشمنوں کا دوست

ہوتا ہے۔ وہ منافقوں سے محبت اور پیار رکھتا ہے۔ اور ان کی عزت اسے اس قدر منظور ہوتی ہے کہ وہ مومنوں کے تریاق کو پاخانہ سمجھتا مگر منافقوں کے پاخانہ کو تریاق سمجھتا ہے۔ ایسے منافق کو اگر تم عقائد سے پرکھنا چاہو۔ تو کیا تم پرکھ سکتے ہو؟ یا ایسے منافق کو تم اعمال سے پرکھنا چاہو۔ تو کیا پرکھ سکتے ہو؟ تم اسکی منافقت کو سوائے اس کے اور کسی چیز سے معلوم نہیں کر سکتے۔ کہ وہ منافقوں کی حمایت کرتا ہے۔ وہ منافقوں کا دوست ہوتا ہے۔ اور منافقوں کی بُری باتیں مومنوں میں پھیلاتا اور مومنوں کی اسرار منافقوں تک پہنچاتا ہے۔ ایسا شخص عقیدے کے لحاظ سے منافق نہیں۔ مگر لا ترکنوا الی الذین ظلموا والا منافق ضرور ہے وہ خود ظالم نہیں۔ مگر

ظالم کا معین اور مددگار

ہے۔ ان ظالموں کا معین اور مددگار جن کے متعلق خدا تعالےٰ یہ کہتا ہے۔ کہ انہیں دوزخ کے سب سے نچلے حصہ میں ڈالا جائے گا۔ اور چونکہ اس نے اس جماعت کے لوگوں سے دوستی ترک کر دی جن کے ساتھ خدا تعالےٰ کی تائید تھی۔ اور ان کے ساتھ اسکی دلی وابستگی نہ رہی۔ اور بدقسمتی سے اسکی دوستی ان لوگوں کے ساتھ ہو گئی۔ جو منافق

تھے۔ اور جن کے دلوں میں مرض پایا جاتا تھا۔ اس لئے اب وہ اس دوستی کی وجہ سے ہمیشہ ان کا ساتھ دیتا ہے۔ انہیں بڑا مخلص اور نیک قرار دیتا ہے۔ اور اگر وہ کوئی اعتراض کریں۔ تو کہتا ہے۔ یہ تو اصلاح کی خاطر اعتراض کر رہے ہیں۔ ان کی غرض کوئی فتنہ و فساد پیدا کرنا تھوڑا ہے پس وہ اعتراض کا نام اصلاح رکھتے۔ بدگوئی کا نام خیر خواہی رکھتے۔ اور

عیب چینی کا نام نصیحت

رکھتے ہیں۔ اور اسی کو قرآن کریم نے منافقت قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ منافقوں کو جب پکڑا جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں۔ انما نحن مصلحون ہم تو صرف اصلاح کی نیت سے یہ باتیں کر رہے تھے حالانکہ اگر ان کا مقصد محض اصلاح ہوتا۔ تو انہیں چاہیئے تھا۔ کہ نظام سلسلہ کے ذمہ واروں کے نوٹس میں وہ امر لاتے۔ نہ یہ کہ الگ تھلگ بیٹھ کر اپنی مجالس میں ان باتوں کو بیان کرتے۔ اور اس طرح لوگوں کے قلوب میں مختلف قسم کے وساوس پیدا کرتے

اگر ہماری جماعت کے دوست ان چاروں قسم کے منافقین کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ تو

بہت سے فتنوں کا سد باب ہو سکتا ہے

مجھے ہمیشہ حیرت ہوتی ہے۔ کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ جب بعض کو معلوم ہوتا ہے۔ فلاں منافق ہے۔ تو وہ اس کے پاس جاتے اور اس سے کسی مسئلہ کے متعلق گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ دیکھتے ہیں۔ کہ مسائل میں اسے کوئی اختلاف نہیں۔ تو وہ کہتے ہیں۔ ہمارے بھائیوں کو غلطی لگی ہے۔ یہ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی مانتا ہے۔ پھر وہ دیکھتے ہیں۔ وہ نماز پڑھتا ہے۔ یا نہیں۔ اور جب دیکھتے ہیں۔ کہ وہ نمازوں میں بھی باقاعدہ ہے۔ تو کہتے ہیں۔ اب یقین ہو گیا۔ کہ ہمارے بھائیوں کو اس کے متعلق ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔ پھر وہ یہ دیکھتے ہیں۔ کہ وہ چندے دیتا ہے۔ یا نہیں۔ اور اگر انہیں معلوم ہو۔ کہ چندے بھی دیتا ہے۔ تو پھر تو انہیں حق الیقین ہو جاتا ہے کہ وہ منافق نہیں۔ حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے۔ کہ ایک منافق ایسا بھی ہوتا ہے۔ جو اعمال کے لحاظ سے ویسے ہی عمل کرتا ہے۔ جیسے مومن اور عقائد کے لحاظ سے ویسے ہی عقائد رکھتا ہے۔ جیسے مومن۔ مگر پھر منافق ہوتا ہے۔ آخر جب خدا نے یہ کہا ہے۔ کہ وفیکم سماعون لھم۔ کہ تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جو ان تک خبریں پہنچاتے ہیں۔ تو اس فیکم کے یہ معنے تو نہیں ہیں۔ کہ وہ مدینہ میں رہنے والے ہیں۔ فیکم کے یہ معنے بھی نہیں۔ کہ وہ تمہارے ساتھ لڑائیوں میں شامل

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہونے والے ہیں۔ بلکہ فیکم کے یہ معنے ہیں۔ کہ وہ بظاہر تمہاری طرح نہایت پکے مسلمان ہیں۔ وہ تمہاری طرح نمازیں پڑھتے تمہاری طرح روزے رکھتے۔ تمہاری طرح زکوٰتیں دیتے تمہاری طرح حج کرتے۔ اور تمہاری طرح جہاد میں شامل ہوتے ہیں۔ اگر اس ایک بات کو نکال دیا جائے۔ جو ان میں پائی جاتی ہے۔ تو تم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ مگر

لا ترکنوا الی الذین ظلموا کے حکم کی خلاف ورزی

نے باوجود تم میں سے ہونے کے انہیں منافقوں میں شامل کر دیا ہے۔ ورنہ عمل ان کا وہی ہے جو تمہارا ہے۔ عقیدہ ان کا وہی ہے۔ جو تمہارا ہے۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ چونکہ یہ آیت رستہ میں نازل ہوئی تھی۔ اسلئے اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھ تھے۔ اور مسلمانوں کی باتیں سنکر منافقوں تک پہنچا دیتے تھے۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر ان معنوں کو لیا جائے۔ تب بھی وہی بات آجائے گی۔ جو میں نے بیان کی ہے۔ کہ وہ لڑائی میں شامل ہوئے۔ انہوں نے جہاد میں حصہ لیا۔ وہ مسلمانوں سے دوش بدوش لڑے۔ اور سب جانتے تھے۔ کہ وہ منافق نہیں۔ بلکہ مخلص ہیں۔ سوائے ان چند لوگوں کے جن کے متعلق یہ آیت نہیں۔ اور جو درمیان میں ایک جگہ شرارتاً بیٹھ گئے تھے۔ باقی سب مخلص تھے۔ قرآن خود اس امر کی وضاحت کرتا اور فرماتا ہے۔ لو خرجوا فیکم ما زادوکم الا خبالاً۔ کہ اگر منافق نکلتے۔ تو تمہیں فائدہ تو کوئی نہ پہنچتا۔ البتہ نقصان ضرور ہو جاتا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اکثر منافق لڑائی میں شامل نہ ہوئے تھے۔ پس فیکم سماعون لھم میں جن لوگوں کا ذکر ہے۔ وہ منافق نہیں۔ بلکہ مومن ہیں۔ اور اگر ان میں نفاق ہے۔ تو اتنا کہ وہ بدقسمتی سے منافقوں سے دوستی رکھتے ہیں۔ ان تک مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے اور ان کے اعتراضات طوطے کی طرح رٹ کر عام لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔ لیکن عام تعلقات منافقوں سے رکھنے کے باوجود وہ نمازیں پڑھتے وہ روزے رکھتے۔ وہ زکوٰۃ دیتے۔ وہ حج کرتے اور باقی تمام احکام اسلام کو بجا لاتے ہیں۔ لیکن باوجود ان احکام کی بجا آوری کے وہ ایسے مقام پر کھڑے ہوتے ہیں۔ کہ منافقوں کی تائید کرتے اور اس طرح جماعت میں فتنہ و فساد پیدا کرتے ہیں۔ یہ منافق نہیں ہوتے مگر اس وجہ سے کہ منافقوں سے تعلقات رکھتے ہیں۔ قریب ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ انہیں منافقوں میں شامل کر دے۔ یا وہی سزا ان پر بھی وارد کر دے۔ جو اس کے حضور منافقوں کے لئے مقدّر ہے۔

پس میں منافقوں کی ان چاروں اقسام کی طرف جماعت کو توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہوں۔ کہ جب تم پہلی دو قسموں کے منافقوں کو پہچانتے ہو۔ تو باقی دو کو بھی تلاش کرو۔ پھر دیکھو۔ کہ خدا تعالےٰ کے فضل کس سرعت سے تم پر نازل ہوتے اور تمہارے قدم کو کتنی جلدی میدان ترقی میں آگے سے آگے بڑھا دیتے ہیں۔ ایسے لوگ ہماری جماعت میں بھی ہیں۔ اور وہ طرح طرح کے فتنے پیدا کرتے رہتے ہیں۔ مگر وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

کامیاب ہمیشہ الٰہی سلسلہ ہوتا ہے

اور اب بھی اللہ تعالےٰ کا سلسلہ ہی کامیاب ہوگا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ منافقوں کی رکاوٹوں کی وجہ سے وہ فتح جو احمدیت کو بیس سال میں ہونی ہے۔ وہ بجائے بیس کے تیس سالوں میں ہو۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ فتح نہ آئے لیکن کیا تم یہ پسند کرو گے۔ کہ خدا تعالےٰ کا نور دس سال اور پیچھے جا پڑے۔

مجھے افسوس ہے۔ کہ کئی نادان ہماری جماعت میں ایسے بھی ہیں جو یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ ان منافقوں کی ریشہ دوانیوں سے حرج کیا ہے۔ جبکہ ہماری فتح یقینی ہے۔ حالانکہ وہ اتنا نہیں سمجھتے۔ کہ بے شک ہماری فتح یقینی ہے۔ مگر ان کی کوششوں اور فتنوں کے نتیجہ میں یہ بھی تو ممکن ہے۔ کہ وہ فتح جو ہمیں دس سالوں میں ہونی ہے۔ وہ بجائے دس سالوں کے بیس سالوں میں ہو۔ اور اس طرح دس سال فتح میں دیر ہو جائے۔ حالانکہ مومن تو ایک منٹ کی دیر بھی پسند نہیں کرتا کجا یہ کہ وہ دس یا بیس سال کی دیر کو پسند کرے۔ کیا اگر کسی کا اکلوتا بیٹا بیمار ہو۔ اور ڈاکٹر اس سے یہ کہے۔ کہ وہ بیس دنوں میں اچھا ہو جائیگا۔ لیکن اسی دوران میں ایک اور ڈاکٹر آجائے۔ اور وہ کہے۔ کہ تم میرے ساتھ ٹھیکہ کر لو۔ اتنی فیس میں لوں گا۔ اور اسے دس دن میں اچھا کر دوں گا۔ تو کیا کوئی ایک بھی باپ ایسا ہو سکتا ہے۔ جس کے پاس روپیہ ہو۔ اور وہ پھر یہ پسند نہ کرے کہ اس کا اکلوتا بیٹا بیس دنوں کی بجائے دس دنوں میں اچھا ہو جائے۔ میں تو سمجھتا ہوں اگر کسی شخص کے پاس روپیہ ہوگا۔ تو وہ سینکڑوں روپے دے کر بھی یہ چاہے گا۔ کہ اس کا بیٹا بیس دن کی بجائے دس دن میں اچھا ہو جائے۔ مگر کیا تمہاری یہ تمام سخاوت دین کے معاملہ میں ہی آکر ظاہر ہوتی ہے۔ اور تم کہتے ہو۔ کہ اگر دس سال کی بجائے بیس سال میں اسلام کو فتح حاصل ہو جائے۔ تو کیا حرج ہے۔ گویا تمہارے نزدیک دس سال کی دیر کوئی دیر ہی نہیں۔ کہتے ہیں۔

حلوائی کی دوکان اور دادا جی کا فاتحہ

تم کبھی اپنے معاملہ میں تو یہ پسند نہیں کرتے۔ کہ ایک یا دو دن کی بھی دیر ہو۔ مگر جب خدا تعالےٰ کے دین کا معاملہ آجائے تو کہنے لگ جاتے ہو۔ کیا حرج ہے۔ دس سال نہ سہی بیس سال میں فتح ہو جائیگی۔ تم اپنے معاملات میں تو ہمیشہ نتائج کو پہلے دیکھنے کی کوشش کیا کرتے ہو۔ پھر تمہیں کیا ہو گیا۔ کہ تم یہ نہیں چاہتے۔ کہ خدا تعالےٰ کا نور دنیا میں جلد سے جلد پھیلے۔ اور درمیان میں جس قدر روکیں ہیں۔ وہ دور ہو جائیں۔ ایک زمیندار کو اگر کوئی شخص کہے۔ کہ تمہاری کھیتی چھ ماہ کی بجائے تین ماہ میں پک کر تیار ہو سکتی ہے۔ اور میں اس کا ذمہ لیتا ہوں۔ تو تم دیکھو گے۔ کہ وہ فوراً اس کوشش میں لگ جائیگا۔ کہ اسکی کھیتی کسی طرح جلدی پک کر تیار ہو جائے۔ پس ذاتی امور میں تو تم نتائج کو جلد سے جلد دیکھنے کے متمنی ہوتے ہو۔ مگر جب خدا تعالےٰ کا معاملہ آجائے۔ تو اسے آخر سے آخر وقت تک ڈالنے کے لئے تیار ہو جاتے ہو۔ یہ کوئی خوبی کی بات نہیں۔ بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی

بے دینی کی رگ

ہے۔ جو تمہارے اندر پائی جاتی ہے۔ ورنہ جو شخص دین سے محبت کرتا ہے۔ وہ تو کہے گا۔ کہ میرا کام بے شک پیچھے پڑا رہے۔ مگر خدا تعالےٰ کے دین کا کام نہ رکے۔ اس نقطۂ نگاہ کے ماتحت اگر تم اپنے ارد گرد نظر ڈالو۔ تو تمہیں منافق بھی نظر آنے لگ جائیں گے۔ اور پھر تم منافقین کے فتنہ کی اہمیت کو بھی سمجھ سکو گے۔ تم ہمیشہ اس نقطۂ نگاہ سے دیکھا کرتے ہو۔ کہ یہ خدا کا دین ہے۔ اور آخر یہ کامیاب ہو کر رہے گا۔ بے شک یہ کامیاب ہوگا۔ مگر کیا تم یہ پسند کرو گے۔ کہ اسکی ترقی دس یا بیس سال اور پیچھے جا پڑے۔ اور اگر تم کہو۔ کہ ہاں ہم یہ پسند کرتے ہیں۔ تو تم مجھے معاف کرو۔ مجھے تمہارے دین اور ایمان کے متعلق بھی شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ وہ لوگ بھی غلطی پر ہیں۔ جو منافقوں سے گھبرا جاتے ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ منافق ہر الٰہی سلسلہ میں پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور منافقوں کو ظاہر کرنا اور منافقت کو کچلنا ہر مومن کا فرض ہے۔ نفاق کا مرض کوڑھ کی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح کوڑھ پہلے تھوڑا ہوتا ہے۔ اور پھر پھیلتے پھیلتے تمام جسم کو ماؤف کر دیتا ہے۔ اسی طرح نفاق بھی آہستہ آہستہ انسانی قلب کو بالکل سیاہ کر دیتا اور اس کے نور ایمان کو سلب کر لیتا ہے۔

پس نفاق کا مقابلہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ ہماری جماعت کا یہ اولین فرض ہے۔ کہ وہ نہ صرف خود نفاق سے بچے۔ بلکہ دوسروں کو بھی نفاق سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ اور منافقوں کو ان کی تدابیر اور منصوبوں میں پوری طرح ناکام کرے۔

میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں۔ کہ وہ ہماری جماعت کو منافقوں کے پہچاننے اور ان کا مقابلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ایسی طاقت انہیں بخشے۔ کہ وہ منافقوں کا پوری طرح مقابلہ کریں۔ تا دین اسلام کو جلد سے جلد فتح حاصل ہو۔ اور خود ان کے اندر ایسی یکجہتی اور اتحاد پیدا ہو جائے۔ کہ دشمن ہزار وسوسے ڈالے۔ وہ ان کے اتحاد اور یکجہتی کو توڑ نہ سکے۔ وہ بنیان مرصوص ہو کر دشمن کے مقابلہ میں کھڑے ہوں۔ اور ہر کمزوری اور ہر رخنہ اس کے فضل سے دور ہو جائے۔ وھو ارحم الراحمین۔

(الفضل)

درخواستہائے دعا

دعائے مغفرت۔ برادران مستری غلام حیدر صاحب سکنہ کھنگالہ کی والدہ صاحبہ ۸ راگست ۱۹۳۸ء کو وفات پا گئیں ہیں۔ ان کی مغفرت کے لئے درخواست دعا کرتے ہیں۔ احباب دعا کر کے ثواب حاصل کریں۔

منشی احمد دین صاحب یاڑی پورہ کشمیر سے ناظرین فاروق کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں۔ کہ انکی مالی مشکلات کی دوری اور دینی و دنیاوی ترقی کے لئے دعا کر کے ثواب حاصل کریں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ثنائی مشن

حیاتِ مسیح کے عقیدہ کی بنیاد ریت کے تودوں پر

عبداللہ معمار امرتسری کی بدحواسی

(از قلم مولوی وقیع الزمان صاحب مضطر رائے پوری مدرسہ احمدیہ قادیان)

الفضل ۶ رمئی کے پرچہ میں ملک محمد حسین صاحب محرر چونگی میونسپل کمیٹی وزیرآباد نے حیاتِ مسیح کے متعلق چند سوالات غیر احمدی علماء سے کئے تھے۔ جن کا جواب لکھنے کی عبداللہ صاحب معمار نے اہلحدیث ۱۵ ر جولائی و ۲۲ ر جولائی میں کوشش کی ہے۔ خیال تھا۔ کہ جو جوابات مسلسل ڈھائی ماہ کے سوچ و بچار کے بعد لکھے گئے ہیں۔ ضرور اپنے اندر کچھ نہ کچھ معقولیت رکھتے ہوں گے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ مضامین پڑھ لینے کے بعد ہماری یہ حسن ظنی قائم نہ رہ سکی۔

"کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کے مطابق معمار صاحب نے اپنے جوابات کی کمزوری اور دلائل کی فرومائیگی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں بدزبانی کرکے چھپانا چاہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیاں (نعوذ باللہ) غلط ثابت ہوئیں۔ تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوگیا۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور اگر آپ کو درد گردہ کی شکایت تھی۔ تو اس سے یہ کہاں معلوم ہو گیا۔ کہ توفی کے جو معنی ہم پیش کرتے ہیں۔ وہ غلط ہیں۔

اگرچہ اس بدزبانی سے جو خواہ مخواہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں کی گئی ہے۔ قلب و جگر مجروح ہیں۔ اور جی یہی چاہتا ہے۔ کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیکر معمار صاحب کو اس بات کا احساس دلایا جائے۔ کہ کسی کے جذبات کے ساتھ کھیلنا خالہ جی کا گھر نہیں۔ مگر پیارے آقا کا پیارا حکم مانع ہے۔ ؎

گالیاں سنکر دعا دو پاکے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو۔ تم دکھاؤ انکسار

(حضرت مسیح موعود ع)

ملک صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا تھا۔ کہ اگر ان سوالات متعلقہ حیاتِ مسیح کا جواب نہ دیا گیا۔ تو میں احمدی ہو جاؤں گا۔ اس پر معمار صاحب شیریں کلامی کا ریکارڈ مات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"برادرم غور فرمائیے اس نامعقول دلیل پر کہ مرزا صاحب اسلئے مسیح موعود ہیں۔ کہ مسیح علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ یہ تو وہی بات ہوئی۔ کہ چاول سفید ہوتے ہیں۔ ولہذا زمین گول ہے۔"

آہ! معقولیت اس جواب پر جس قدر ماتم کرے کم ہے۔ کیا حیاتِ مسیحؑ اور صداقتِ مسیح موعود علیہ السلام میں وہی نسبت ہے۔ جو چاول کی سفیدی کو زمین کے گول ہونے سے ہے میرے دوست! جو شخص وفاتِ مسیح کا قائل ہے۔ اور پھر قرآن و حدیث پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ اس کے لئے سوائے مرزا صاحب کو اس صدی کا مجدد ماننے اور آپ کے دعاوی پر ایمان لانے کے اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ سوائے اس حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ کے اور کوئی چیز آپ کی صداقت کے تسلیم کرنے میں روک نہیں ہو سکتی۔ اگر مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور آپ ہی کو امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے دوبارہ دنیا میں آنا ہے۔ تو پھر چاہے لاکھ دلائل حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے ہمارے پاس موجود ہوں۔ کوئی آپ کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ جب اصلاحِ امت کی ویکینسی خالی ہی نہیں۔ اور اس کے لئے حضرت عیسےٰ علیہ السلام پہلے سے نامزد ہیں۔ تو حضرت مرزا صاحب کس طرح مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اور کون مسلمان اس دعوے کو قبول کر سکتا ہے۔

پس حضرت صاحب کو مسیح موعود تسلیم کرنے میں بڑی روک یہی حیاتِ مسیح کا عقیدہ ہے۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ اور اسی امت میں سے کسی شخص کو مسیح موعود اور چودھویں صدی کا مجدد بننا ہے۔ تو پھر کون ہے۔ جو حضرت مرزا صاحب سے زیادہ اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کے لائق ہو۔ وہ شخص جس کا اشد ترین مخالف یہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔ کہ

"مؤلف براہین احمدیہ (مرزا صاحب) اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی جاتی ہے۔" (اشاعت السنۃ جلد ۶ ع ۷)

اور جس کے حضور شوقِ زیارت سے مجبور ہوکر معمار صاحب کے مرشد مولوی ثناء اللہ امرتسری اٹھارہ سال کی عمر میں پاپیادہ ٹبالہ سے قادیان چل کر آئے۔ جس نے اسلام کی ایسے وقت میں مدد کی۔ جب چاروں طرف سے دشمن اس کو کھائے جا رہے تھے۔ وہ شخص جس نے بے سروسامانی کی حالت میں عیسائیت کے طلسم کو جس کی پشت پر دنیا کی مضبوط ترین حکومتیں تھیں۔ دھواں بنا کر اڑا دیا۔ اس سے زیادہ اور کون اس بات کے لائق ہے۔ کہ اس صدی کے مجدد کا خطاب اس کو دیا جائے۔ اگر وہ بھی مجدد نہیں۔ تو اور کسی کا نام پیش کریں۔ جس نے مجددیت کا دعوے کیا ہو۔ اس صدی کے ۵۷ سال گذر چکے ہیں۔ اگر اب بھی آپ کسی ایسے شخص کا نام نہ پیش کر سکیں۔ جس نے مجددیت کا دعوے کیا ہو۔ تو دو۲ ہی صورتیں رہ جاتی ہیں۔ یا حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اس فرمان کو غلط مانا جائے جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے۔ "ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علےٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔" (ابوداؤد جلد ۲ صہ ۲۴۱۔ و مشکوٰۃ مطبع نظامی دہلی صہ ۳۶ کتاب العلم)

"کہ خدا ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے ایک مجدد مبعوث فرمایا کرے گا۔ جو دین کی تجدید کرے گا۔" اور یا پھر حضرت مرزا صاحب کو اس صدی کا مجدد تسلیم کر لیا جائے۔ اور مجدد ہونے کی حیثیت سے آپ کے تمام دعاوی پر ایمان لایا جائے۔

ایسی صورت میں اگر ملک صاحب نے یہ فرما دیا۔ کہ سوالات متعلقہ حیاتِ مسیح کا جواب نہ ملنے پر میں احمدی ہو جاؤں گا۔ تو اس میں تعجب کا کونسا مقام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی عقل و فہم رکھنے والا مسلمان مسیح علیہ السلام کو فوت شدہ تسلیم کر لینے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی کا انکار نہیں کر سکتا۔

معمار صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں پر اعتراض کرنے لگے۔ تو سب کو ایک سرے سے باطل ٹھہرا دیا۔ تحریرات کے متعلق لکھ دیا۔ کہ ہزارہا اختلافات ہیں۔ جسمانی صحت پر نکتہ چینی کرنے لگے تو کسی طبی رسالے سے تمام بیماریوں کی فہرست لے کر نقل کر دی۔ جوشِ تعصب میں جو کچھ سامنے آیا۔ اندھا دھند دھر گھسیٹا۔ کذب بیانی اور دروغگوئی کی انتہا کر دی۔ اور پھر دعوے یہ کہ میں نے جو لکھا ہے۔ علیٰ وجہ البصیرت لکھا ہے۔

ہمارا دعوے ہے۔ کہ تمام پیشگوئیاں تو درکنار آپ کوئی ایک پیشگوئی بھی ایسی نہیں بتلا سکتے۔ جو پوری نہ ہوئی ہو۔ حضور کے کوئی ایسے دو الہام نہیں بتلا سکتے۔ جن میں آپس میں اختلاف ہو۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی کتاب سے یا کسی مستند ڈاکٹر کی تشخیص سے جس نے آپ کا معائنہ کیا ہو۔ آپ یہ ثابت نہیں کر سکتے۔ کہ آپ کو مراق۔ سل اور دق کی بیماریاں تھیں۔ اگر ہمت ہے۔ تو اس چیلنج کو قبول کیجئے۔ ورنہ مان جائیے۔ کہ اس معصوم انسان پر کذب و افترار کا بہتان لگانے کے بعد آپ نے خود کذب و افترار سے کام لیا ہے۔

معمار صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں میں اختلاف ثابت کرنے کے لئے جو مثال بڑی تحدی کے ساتھ پیش کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ ازالۂ اوہام میں حضور نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالےٰ کے مکالمے کا زمانہ عالم برزخ قرار دیا ہے۔ اور حقیقۃ الوحی میں فرمایا ہے۔ کہ یہ مکالمہ قیامت کے روز ہوگا۔

اول تو یہ اعتراض اٹھانا ہی اصولاً غلط ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے اپنے دو اقوال میں کسی اختلاف کا پایا جانا نبوت کے منافی نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ نبی ایک وقت میں اپنی رائے سے کچھ بیان کر جائے۔ اور بعد میں تفہیم الٰہی کے مطابق اسکو یہ رائے بدلنا پڑے۔ اور اسکی پہلی بات دوسرے بیان سے مختلف ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی زندگی میں بھی اس قسم کے کئی واقعات ملتے ہیں۔ ایک جگہ حضور نے فرمایا۔ "من قال انا خیر من یونس بن متیٰ فقد کذب" (بخاری کتاب التفسیر سورۃ نساء جلد ۳ صہ ۷۷ مصری) لیکن بعد میں ارشادِ الٰہی کے مطابق آپ کو یہ عقیدہ تبدیل کرنا پڑا۔ اور آپ نے اعلان کر دیا۔ "انا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سید الناس یوم القیامة" (بخاری)

پس نبی کے اپنے دو بیانات میں تضاد ہونا قابلِ اعتراض نہیں۔ ہاں اگر اس کے الہاموں میں اختلاف اور تضاد ہو۔ تو یہ بے شک نبوت کے منافی ہے۔ لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً (قرآن کریم)

لیکن اس مضمون میں جو مثال معمار صاحب نے پیش کی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ کوئی اختلاف ہے ہی نہیں۔ چنانچہ بعینہٖ اسی طرح کے اختلاف کی ایک مثال قرآن و حدیث میں بھی موجود ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔" ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون۔ (سورۃ مومنون رکوع ۶) "کہ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے انسان کو عالم برزخ میں رکھا جاتا ہے"۔ اس کے مقابلہ پر رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔" من مات فقد قامت قیامته" (کہ جو شخص مرتا ہے۔ اسکی قیامت اسی وقت سے شروع ہو جاتی ہے"۔ گویا یہاں عالم برزخ کے وجود سے بظاہر صریح انکار ہے۔ ان دونوں باتوں میں تطابق پیدا کرنے کے لئے جو تاویل معمار صاحب اور ان کے مرشد ثناء اللہ امرتسری کریں گے۔ وہی تاویل ہماری طرف سے بھی سمجھ لیجئے گا۔ ماکان جوابکم فهو جوابنا۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ ہر روح کا حساب کتاب دو جگہ ہوگا۔ ایک عالم برزخ میں اور دوسرا قیامت کے روز۔ صرف اتنا فرق ہے۔ کہ برزخ میں ذرا مجمل طور پر ہوگا۔ اور قیامت کے روز ذرا مفصل طور پر۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا زیر بحث مکالمہ بھی دو جگہ ہوگا۔ ایک مجمل طور پر عالم برزخ میں۔ اور دوسرا مفصل طور پر قیامت کے روز۔ ایسی صورت میں اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مکالمہ کو ایک جگہ عالم برزخ میں قرار دے دیا۔ اور دوسری جگہ قیامت کے روز۔ تو اس میں اختلاف اور تضاد کہاں رہا۔

ان چند ضروری باتوں کے ذکر کے بعد جن کو معمار صاحب نے مختلف جگہوں پر نفسِ مضمون سے دور جا کر پیش کیا ہے۔ اب میں ان جوابات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جو ملک صاحب موصوف کے دلائل قاطعہ کے مقابلہ میں بڑی تحدی کیساتھ پیش کئے گئے ہیں۔

ملک محمد حسین صاحب نے لفظ توفّی کے ان معنوں کی تائید میں جو احمدی پیش کیا کرتے ہیں۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کو پیش کیا تھا۔ عن ابن عباس ... انه یجاء برجالٍ من امتی فیؤخذ بهم ذات الشمال فاقول یا رب اُصیحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیهم شهیداً ما دمت فیهم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم فیقال ان هؤلاء لم یزالوا مرتدین علےٰ اعقابهم منذ فارقتهم۔ (بخاری کتاب التفسیر جلد ۳ صـ ۷۹ و جلد ۲ صـ ۱۵۹ باب بدء الخلق)

ترجمہ:۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ قیامت کے دن کچھ لوگ میری امت میں سے دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے۔ تو میں کہوں گا۔ یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ جواب ملے گا۔ تو نہیں جانتا۔ کہ تیرے بعد انہوں نے کیا کیا۔ اس وقت میں وہی کہوں گا۔ جو اللہ تعالےٰ کے صالح بندے عیسےٰ نے عرض کیا تھا۔ کہ میں ان کا اسی وقت تک نگران تھا۔ جب تک ان میں تھا۔ جب تُو نے مجھے وفات دیدی۔ تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا"۔

اس حدیث سے صاف واضح ہے۔ کہ قیامت کے روز امت کے بگڑ جانے سے جو برّیت حضرت عیسےٰ علیہ السلام پیش کریں گے وہی رسول کریم صلعم پیش کریں گے۔ اب غور طلب امر یہ ہے۔ کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کے معنے وہی نہیں۔ جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے معنی ہیں۔ اور دونوں جگہ توفّی کے معنی وفات نہیں۔ تو پھر حضور کا یہ فرمانا کہ میرا اور مسیح کا قول ایک ہی ہوگا۔ کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

بجائے اس کے کہ معمار صاحب اس معقول دلیل کا معقول جواب دیکر اپنے ایک بھائی کو اپنے مزعومہ "اسلام" سے ارتداد اختیار کرنے سے بچا لیتے۔ کس سادگی سے فرماتے ہیں:۔

"اس تحریر سے عیاں ہے۔ کہ ملک صاحب "توفیتنی" کے معنی وفات لیکر نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ عیسائی بعد وفات مسیح بگڑے ہیں۔ لیکن اگر میں خود مرزا صاحب کی تحریرات سے دکھا دوں۔ کہ عیسائی جناب مسیح کی زندگی میں بگڑے ہیں۔ تو یقیناً آپ کو توفیتنی کے معنے موت نہیں۔ زندگی ماننے پڑیں گے"۔

گویا اس فقرے کے بعد معمار صاحب نے جو حوالجات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے پیش کئے ہیں۔ ان سے آپ کا مقصد یہی ثابت کرنا ہو کہ چونکہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں بگڑ گئے تھے۔ لہٰذا توفیتنی کے معنی "موت" نہیں۔ "زندگی" ہیں۔

بخوف طوالت میں فی الحال اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ کہ آیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے جو مطلب معمار صاحب نے اخذ کیا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ یا غلط۔ اس کے متعلق ملک عبد اللہ صاحب اخبار الفضل ۹ر اگست میں کافی و شافی بحث کر چکے ہیں۔ میں صرف اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ان تحریرات کے ذریعے جو بات معمار صاحب نے ثابت کرنا چاہی ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ ان کے اپنے مسلمات کے خلاف ہے۔ بلکہ قرآن کریم کی آیت فلما توفیتنی پر بھی اسکو کسی طرح چسپاں نہیں کیا جا سکتا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے معمار صاحب نے انتہاء بدحواسی میں توفّی کے معنی زندگی کر دیئے ہیں۔ گویا آیت فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم کے معنی آپ کے نزدیک یہ ہوئے۔ کہ "اے خدا جب تو نے مجھے زندگی دے دی۔ تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا"۔ مجھے یقین ہے۔ خود مولوی ثناء اللہ امرتسری جن کو آپ نے "استاذنا العالم" لکھا ہے۔ ان معنوں کو صحیح تسلیم کر لینے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ بھلا حضرت عیسےٰ علیہ السلام جیسی زبردست ہستی کے منہ سے یہ عجیب وغریب اور مضحکہ خیز کلمات کیسے نکل سکتے ہیں۔ کہ اے خدا جب تک میں اپنی قوم میں رہا۔ اس وقت تک میں ان کا نگہبان تھا۔ لیکن جب تو نے مجھے زندگی دے دی۔ تو پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ گویا اس دنیا میں آنے سے پہلے عدم آباد میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی نگرانی کرتے رہے۔ لیکن جب آپ اس دنیا میں آ گئے۔ تو پھر ذمہ واری سے سبکدوش ہو کر اللہ تعالیٰ پر ان کی نگہبانی کا بوجھ ڈال دیا۔ سبحان اللہ! میرے نزدیک تو بجائے اس قسم کی مضمون نگاری کر کے خفّت مول لینے کے معمار صاحب اگر اینٹیں ہی جوڑتے رہتے۔ تو نہ صرف یہ کہ یہ ان کے اپنے لئے بہتر ہوگا۔ بلکہ صحافت پر بھی ایک زبردست احسان ہوتا لیکن سہ

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو

توفّی کے معنوں میں اس جدت طرازی کے بعد جو کسی طرح راس نہ آئی۔ اسی پرانی چال پر آ کر لکھتے ہیں:۔ "ہم بقرینہ رافعک الیّ صعود الی السماء مراد لیتے ہیں"۔

آیئے اب ان معنوں کو بھی آیت پر چسپاں کر کے دیکھ لیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالےٰ پوچھتا ہے۔ کیا تو نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی تھی۔ کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کے علاوہ دو معبود تسلیم کرو۔ تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام جواب دینگے اے خدا جب تک میں ان میں رہا۔ نگرانی کرتا رہا۔ مجھے کوئی اس قسم کی خرابی اپنی قوم میں محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن جب تُو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا۔ تو تُو ہی ان کا نگہبان تھا۔ مجھے اس کے بعد کا علم نہیں۔ کہ انہوں نے کیا کچھ کیا۔

خدارا ذرا غور فرمائیے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو ہزار سال تک آسمان پر رہنے کے بعد زمین پر تشریف لائیں گے۔ نہ صرف یہ کہ عیسائی قوم کی بد اعمالی کو دیکھیں گے۔ بلکہ ان کے تمام عقائدِ باطلہ کا ابطال کریں گے۔ دنیا بھر کی تمام صلیبیں منگا کر توڑیں گے۔ اسلام کو تمام دوسرے مذاہب پر (جن میں عیسائیت بھی شامل ہے) غالب کر کے دکھائیں گے۔ اور پھر جب خدا قیامت کے روز پوچھے گا۔ کہ اے عیسےٰ کیا تو نے اپنی قوم کو تثلیث کے عقیدے کی تعلیم دی تھی۔ تو بجائے اس کے کہ آپ اپنی ان خدمات کو بارگاہِ ایزدی میں بطور صفائی پیش کریں۔ جو آپ نے اپنی آمدِ ثانی کے بعد کسرِ صلیب اور ابطالِ تثلیث کی صورت میں سرانجام دی تھیں۔ نہایت سادگی سے جواب دے دیں گے۔" اے خدا مجھے تو یہ علم ہی نہیں۔ کہ کب ان میں یہ عقیدہ آیا"۔

مکر جانے کا یہ طریق مشرق کی لچر شاعری میں معشوقانِ سیم تن کے لئے جائز ہو تو ہو۔ خدا کے پاک نبی کا دامن اس سے کبھی بھی ملوث نہیں ہو سکتا۔ تعالی اللہ ورسله عما تصفون۔

اپنے پیش کردہ معنوں پر اس زبردست اعتراض کو محسوس کرتے ہوئے معمار صاحب خود ہی لکھتے ہیں۔ "مسیح کا یہ قول کہ مجھے امت کے بگڑ جانے کا علم نہیں۔ قرآن کے کونسے پارے حدیث کی کونسی کتاب میں درج ہے۔ بخدائے لایزال یہ حضرت مسیح پر چٹا جھوٹ ہے"۔

اگر آپ اسی حدیث کو ذرا غور سے پڑھ لیتے۔ جو ملک صاحب نے توفّی بمعنی "موت" کے ثبوت میں پیش کی تھی۔ تو یہ مشکل بھی حل ہو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جاتی۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ "لا تدری ما احدثوا بعدک"۔ کہ اے نبی تجھے نہیں معلوم انہوں نے تیرے بعد کیا کیا۔ حضرت رسول کریم صلعم اس لاعلمی کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ میں بھی وہی کہوں گا۔ جو حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا تھا۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم۔ گویا حضرت نبی کریم صلعم کے نزدیک مسیحؑ کا قول "فلما توفیتنی" لاعلمی کے اظہار کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ بھی اسی جواب کے دہرانے پر اکتفا کریں گے۔

اب معمار صاحب خود ہی انصاف سے بتلائیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف لاعلمی منسوب کرنے کا نام "چٹا جھوٹ" رکھ کر انہوں نے ہم پر حملہ کیا ہے۔ یا سرور کونین فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معصوم ذات پر۔ جن کے ایک ایک لفظ کی صداقت پر خود رب العالمین گواہ ہے۔ ہم نے جو کچھ بھی بیان ہے۔ وہ صرف حضرت رسول کریم صلعم کے ارشاد کا اعادہ ہے۔ اگر یہ بھی "چٹا جھوٹ" ہے۔ تو خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم ہم دنیا میں سب سے بڑے جھوٹے ہیں۔ ہمیں وہ "چٹا جھوٹ" دنیا جہان کی تمام صداقتوں سے زیادہ پیارا ہے۔ جو حضرت رسول کریم صلعم کے پیارے منہ سے نکلا ہو۔ ؎

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم
(حضرت مسیح موعودؑ)

دوسرے مضمون میں جو "اہلحدیث" مورخہ ۲۲ جولائی میں شائع ہوا تھا۔ معمار صاحب نے آیت یاعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"یہ مسلمہ فریقین ہے۔ کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو کفار کے ہاتھوں سے بچانے کا وعدہ دیا ہے۔ چنانچہ الفاظ ومطھرک من الذین کفروا اس پر نص صریح ہیں۔ اب اگر توفی کے معنی موت لئے جائیں۔ تو مطلب آیت کا یہ نکلا۔ کہ اے عیسیٰ میں پہلے تیری جان نکالوں گا۔ پھر تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا پھر تجھے کفار کے ہاتھوں سے بچاؤں گا"۔

اس ترجمہ کو جو واقعی "بے ڈھنگا" ہے۔ ہماری طرف منسوب کر کے ہمارے ترجمے کو غیر معقول قرار دینا معمار صاحب جیسے دل گردہ والوں کا ہی کام ہے۔ "مطھرک من الذین کفروا" کے جو معنی معمار صاحب نے کئے ہیں۔ وہ نہ ہم نے کبھی پیش کئے ہیں۔ اور نہ ہی از روئے لغت درست ہیں۔ تطہیر سے جسمانی ایذاؤں اور تکلیفوں سے بچایا جانا ہرگز مراد نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی کسی مستند لغت کی کتاب سے آپ یہ معنی معقول طور پر ثابت کر سکتے ہیں۔ تطہیر کے معنی لغتِ عرب کی رو سے "پاک کرنے" اور اس آیت میں سیاق وسباق کی رو سے "کفار کے الزامات سے بری ثابت کرنے" کے ہیں۔

اسی طرح رافعک الیّ کے معنی "میں تجھکو اپنی طرف اٹھاؤں گا" کر کے ان کو ہماری طرف منسوب کرنا بھی انتہائی دیدہ دلیری ہے۔ یہ معنی ہم نے کبھی نہیں کئے۔ اور نہ ہی محاورات عرب کی رو سے درست ہیں۔

چنانچہ لغت کی سب سے مستند کتاب میں لکھا ہے:۔ "فی اسماء اللہ تعالیٰ۔ الرافع ھو الذی یرفع المؤمنین بالاسعاد و اولیاءہ بالتقریب (لسان العرب جلد ۹ صفحہ ۴۸۸) "کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام رافع بھی ہے۔ کیونکہ وہ بلند کرتا ہے مومنوں کو سعادت کے ساتھ۔ اور اپنے دوستوں کو قرب کے ساتھ"۔ تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:۔

"واعلم ان ھذہ الآیۃ تدل علیٰ ان رفعہ فی قولہ رافعک الیّ ھو الرفعۃ بالدرجۃ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۱)

پس "رافعک الیّ" کے معنی میں تجھکو اپنی طرف اٹھاؤں گا کر کے معمار صاحب نے نہ صرف ہم پر افترا کیا ہے۔ بلکہ یوں بھی لغت اور مسلمانوں کی مسلمہ تفاسیر کے خلاف گئے ہیں۔

اب اگر ان صحیح اور اصلی معنوں کو سامنے رکھ کر توفی کے معنی موت کئے جائیں۔ تو کوئی "بے ڈھنگا پن" باقی نہیں رہتا۔ بلکہ فطرت صحیحہ خود بخود انہی معنوں کی طرف مائل ہوتی ہے۔ چنانچہ پوری آیت کا ترجمہ یوں ہوا:۔

"اے عیسےٰ میں تجھے وفات دوں گا۔ تیرے درجات کو بلند کروں گا۔ تجھے کفار کے الزامات سے بری ثابت کروں گا۔ اور تیرے متبعین کو تیرے منکرین پر قیامت تک غلبہ دوں گا"۔

ان صحیح۔ صاف۔ اور معقول معنوں کے مقابلہ میں معمار صاحب کے خود ساختہ معنوں کو رکھ کر توفی کے معنی "صعود الی السماء" کیجئے۔ تو ایسی چیستان بن جاتی ہے۔ جس کا حل شاید معمار صاحب ہی کر سکیں تو کر سکیں۔ کوئی معقول انسان تو کر نہیں سکتا۔

چنانچہ معنے یوں ہوئے۔ "اے عیسےٰ میں تجھے آسمان پر اٹھاؤں گا۔ پھر تجھے اپنی طرف اٹھاؤنگا۔ پھر تجھے کفار کے حملوں سے بچاؤں گا۔ اور پھر تیرے متبعین کو منکرین پر قیامت تک غالب رکھوں گا"۔

کوئی کس کس بات کو روئے۔ یہاں تو سارا مضمون ہی شروع سے آخر تک اوٹ پٹانگ پہیلیوں کا مجموعہ ہے۔ بھلا جب "متوفیک" کے معنی "صعود الی السماء" ہیں۔ تو آگے "رافعک الیّ" کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور پھر جب بخیریت تمام حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر پہنچ گئے۔ تو وہاں پر کونسے کفار کے حملے تھے۔ جن سے بچانے کا اللہ تعالیٰ وعدہ کر رہا ہے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

اس کے بعد آپ نے حدیث "فاقول کما قال العبد الصالح فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم" پر طبع آزمائی کی ہے۔ چنانچہ آپ نے "کما" کو حرف تشبیہ قرار دے کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک عبارت پیش کی ہے۔ کہ "تشبیہات میں پوری پوری تطبیق کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بسا اوقات ایک ادنیٰ مماثلت بلکہ ایک جزو میں مشارکت کے باعث ایک چیز کا دوسری پر اطلاق کر دیتے ہیں"۔ اس حوالہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"بنا بریں آنحضرت کے فرمان کا یہ مطلب ہے۔ کہ جس طرح مسیح کی توفی بمعنی رفع الی السماء کے بعد ان کی امت بگڑی ہے۔ ویسے ہی میری موت کے بعد میری امت میں تغیرات واقع ہوئے ہیں"۔

اول تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی عبارت میں کوئی قاعدۂ کلیہ بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ "بسا اوقات" کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں۔ کہ کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوا کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں۔ کہ تشبیہ ہمیشہ ادنےٰ مماثلت اور جزوی مشارکت کی وجہ سے آئے۔ لیکن اگر ہم مان بھی لیں۔ کہ یہاں جزوی مشارکت ہے۔ تب بھی معمار صاحب کے معنی ٹھیک نہیں بنتے۔ کیونکہ مشارکت اُسی جزو میں ہوتی ہے۔ جس جزو میں مشارکت کا ہونا صراحتاً یا کنایتاً بتا دیا گیا ہو مثلاً اگر یہ کہا جائے۔ کہ زید شیر جیسا بہادر ہے تو صاف معلوم ہو جائیگا۔ کہ زید کی اور شیر کی مشارکت بہادری میں ہے۔ اور کسی چیز میں نہیں۔

اسی طرح اس حدیث میں دونوں امتوں کے بگڑنے میں مشارکت نہیں بیان کی گئی۔ بلکہ یہاں حضرت عیسےٰ اور آنحضرت کے اقوال میں مشارکت بتلائی گئی ہے۔ چنانچہ "اقول کما قال" کے الفاظ اس بات پر صریح دال ہیں۔ کہ یہ مشارکت اور کسی چیز میں نہیں۔ اقوال میں ہے۔ یعنی جو جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیا۔ وہی جواب آنحضرتؐ دیں گے۔ ظاہر ہے۔ کہ قول میں اس کے معنی بھی شامل ہوتے ہیں۔ گویا آنحضرت صلعم کا قول اور اس کے معنی حضرت مسیح کے قول اور اس کے معنی کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک جگہ توفی کے معنی "صعود الی السماء" اور دوسری جگہ وفات کر لینا "تغیر القول مالا یرضیٰ بہ قائلہ" ہے۔

آخر میں اپنی پرانی عادت کے موافق حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک اعتراض کر کے معمار صاحب نے اپنے مضمون کو ختم کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ "اگر حیات مسیح کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہونا اور شرک ہوتا۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے بعد میں لکھا ہے۔ تو خود مرزا صاحب کیوں ۵۲ برس کی عمر تک اس میں مبتلا رہے۔ مشرک تو نبی ہو ہی نہیں سکتا"۔

شرک کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شرک جلی (۲) شرک خفی ہمارا اعتقاد ہے۔ کہ شرک جلی تو انبیاء سے کسی صورت میں بھی سرزد نہیں ہو سکتا۔ یعنی یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک نبی غیر اللہ کی پرستش شروع کر دے۔ باقی رہا شرک خفی۔ تو یہ تو شرک بنتا ہی اس وقت ہے۔ جب نبی آکر یہ فیصلہ کر دیتا ہے۔ کہ یہ شرک ہے۔ اس سے پیشتر اس کا مرتکب خواہ خود وہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ مشرک نہیں ہوتا۔ چنانچہ رسول کریم صلعم نے ایک موقعہ پر فرمایا:۔ "قد افلح وابیہ ان صدق" (مسلم صفحہ ۲ باب ایمان باللہ) کہ "اس کے باپ کی قسم اگر اس نے سچ بولا ہے۔ تو نجات پا جائیگا"۔ گویا آنحضرت صلعم نے باپ کی قسم "وابیہ" کے الفاظ کے ذریعے سے کھائی۔ لیکن خود دوسری جگہ فرمایا۔ "من حلف بغیر اللہ فقد اشرک"۔ (ترمذی و مشکوٰۃ مجتبائی) یعنی جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی۔ اس نے شرک کیا۔

پس جس طرح اس تصریح سے پہلے حضور کا غیر اللہ کی قسم کھانا شرک نہیں تھا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک محدود عرصے کے لئے "حیات مسیح" کے عقیدے پر قائم رہنا شرک نہیں کہلا سکتا۔

ہم نے اپنی طرف سے معمار صاحب کے دلائل کا شافی جواب دے دیا ہے۔ لیکن

"اگر اب بھی نہیں سمجھے تو پھر تم سے خدا سمجھے"

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اقتباسات

معزز ہمعصر "اردو بمبئی" نے اپنی تازہ اشاعت میں "اتحاد المسلمین" کی سرخی سے جو ایک مراسلت شائع کی ہے۔ وہ ہر ایک مسلمان کی توجہ کے قابل ہے۔ اس کا ایک حصہ حسب ذیل ہے:۔

کاش! مسلمان ان تمام مذہبی اختلافات کو جو در حقیقت فروعات میں سے ہیں۔ اصل میں سب کے سب متفق ہیں۔ اصل دین نہ سمجھتے۔ اور علماء دجل و فریب کے تلبیس میں نہ پڑتے۔ جنہوں نے حبل المتین پر اختلافات کی مقراض چلا کر اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور آج بھی کہیں مقلد اور غیر مقلد کے نام سے خونی دنگل رچا رہے ہیں۔ تو کہیں شیعہ سُنّی کے نام سے سر پھٹول کرا رہے ہیں۔ کہیں معمولی اختلافات کو سدِ سکندری مسلمانوں کو تین تیرہ کر رہے ہیں۔ اس تحریر کا یہ منشاء نہیں۔ کہ میں حق و باطل کا فیصلہ کر رہا ہوں۔ اپنی غرض اسی حد تک ہے۔ کہ جب مسلمانوں کی بیسیوں جماعتیں ایک نبی کی پیروی کرتیں۔ ایک قبلہ کی طرف منہ کر کے ایک خدا کی جناب میں سجدہ ریز ہوتیں اور ایک ہی قرآن کی تلاوت کرتیں اور حج و زکوٰۃ صوم و صلوٰۃ ادا کرتی ہیں۔ تو کیا معنی؟ کہ خواہ مخواہ تنکے کو تاڑ۔ رائی کو پہاڑ اور سایہ کو بھوت بنا کر تھوڑے سے اختلاف پر اسکو دشمن سمجھیں۔ اور اسی طرح اپنی بربادیوں کے سامان خود فراہم کرنے لگیں۔ ؎

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

مخبر صادق خواجۂ ہر دو سرا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کیا خوب فرمایا ہے۔

من صلی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی لہ ذمہ اللہ وذمہ رسول اللہ فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ۔ جو کوئی ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے۔ اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز میں منہ کرے۔ اور ہمارا کاٹا ہوا جانور کھائے۔ تو وہ ایسا مسلمان ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں ہے۔ تو اللہ کی پناہ میں خیانت نہ کرو۔ عزیز دوستو! اگر ہم نے آج بھی ان سارے فروعی اختلافات کو اٹھا دیا۔ اور باہم شیر و شکر ہو گئے تو ہمارے صحنِ چمن اسی طرح بادِ بہاری کی اٹھکھیلیاں مصروف خرام نظر آئیں گی۔ ہم سے برسرِ پیکار ہونے والی قومیں خود ناصیہ فرسا ہوں گی۔ اور غضنفرانِ بیشۂ شجاعت کے سامنے آتی ہوئی لومڑیاں خود دم دبا کر کھسک جائیں گی۔ آؤ آؤ اگر اجتماعی طور پر مومن ہو گئے تو غلبہ و علو تمہارے ہی ہاتھ میں ہے۔ (وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین) دیکھو؟ جب تک ہم تم اپنے پیدا کرنے والے سے صلح نہ کریں گے۔ دنیا ہم سے صلح نہ کرے گی۔ جب تک ہم اسکی جناب میں سچائی کا سر نہ جھکائیں گے۔ دنیا کی قوتیں گردن فرازی سے باز نہ آئیں گی۔ ابھی وقت باقی ہے۔ کہ ہم باہم مل جل کر اسکی پاپگاہِ معشوقیت پر پیشانی رکھدیں اور چشم پُرنم مفلسانہ طور پر۔ فقیرانہ انداز عجز بیانہ بےبسی اور عاجزانہ لہجہ میں اس سے ایک زبان ہو کر یہ دعا مانگیں

بنا دے ان کو دریائے رواں پھر اپنی رحمت سے
الٰہی پھر یہ قطرے متحد ہونے کو مضطر ہیں۔

آریوں کی اسلام دشمنی

آریہ سماجی مہاشے آج کل مسٹر کاظمی کے شریعت بل کے خلاف بہت شور مچا رہے ہیں۔ حالانکہ اصولی طور پر اس بل سے ان کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں ہے۔ اس بل کا بنیادی مقصد یہ ہے۔ کہ مروجہ قانون کی اس غلطی کی اصلاح کرائی جائے۔ کہ ارتداد سے مسلمان عورت کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے غدر کے بعد مسلمانوں کی غفلت سے یہ قانون نافذ ہو گیا۔ جو شریعت اسلامی کے منشاء کے خلاف ہے۔ جب مسلمان کو ایک عیسائی۔ یہودی۔ ہندو اور پارسی وغیرہ عورت سے نکاح کی اجازت ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ کوئی فریب خوردہ شادی شدہ مسلمان عورت مرتد ہو جائے۔ تو اس کا نکاح فسخ ہو جائے۔ آج کل بعض نادان مسلمان عورتیں قطع تعلق کے لئے ارتداد کا افسوسناک طریق اختیار کرتی ہیں۔ لہذا ضرورت ہے۔ کہ ایک طرف انہیں خلع کا اسلامی حق قانوناً دیا جائے۔ دوسری طرف مروجہ قانون کی اس خامی کی اصلاح کر دی جائے۔ اس میں معلوم نہیں۔ کہ آریوں کو کیا تکلیف ہوتی ہے؟

آریہ اخبارات اور مہاشے بار بار یہ لکھ رہے ہیں۔ کہ یہ بل شریعت اسلامی کے خلاف ہے۔ اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ مسلمان شریعت اسلامی کو خود بہتر سمجھتے ہیں۔ آریوں کو دخل در معقولات دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ بل اپنے مقصد کے لحاظ سے منشائے شریعت کے مطابق ہے۔ اس کو نہایت واضح اور وزنی دلائل سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ باقی رہی اس میں کچھ ترمیم و تبدیلی۔ تو اس کا حق بھی مسلمانوں اور صرف مسلمانوں کو ہے۔ اگر یہ صورت نہ بھی ہوتی۔ تب بھی آریوں کو اس کے خلاف شور مچانے کا حق کس طرح پہنچتا ہے؟ ذات پات ہندو دھرم کا مسلمہ اصول ہے۔ لیکن آج جگہ جگہ اس کے خلاف قوانین وضع و نافذ ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں نے کبھی بھی ان کی مخالفت نہیں کی۔ شادی بیوگان۔ ہندو دھرم اور آریہ سماج دونوں کے نزدیک ممنوع ہے۔ حتّٰی کہ سوامی دیانند جی نے بھی اسکی شدید مخالفت کی ہے۔ لیکن اس زمانہ میں بہت سے ہندو اور بالخصوص آریہ سماجی مختلف قوانین و اثرات کے ذریعہ اسکی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ اگر مسلمان اس بارہ میں ان کی مخالفت شروع کر دیں۔ اور آریہ سماجیوں سے مطالبہ کریں۔ کہ وہ شادی بیوگان کی بجائے نیوگ کو اپنے ہاں مروج کریں۔ کیونکہ سوامی دیانند جی کی تلقین یہی ہے۔ تو کیا آریہ سماجی اس بات کو پسند کریں گے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے۔ تو شریعت بل کے متعلق یہ غوغا آرائی شرارت اور بدطینتی نہیں تو اور کیا ہے؟ (پیغام)

زمیندارہ بل کے خلاف بے معنی شورش

قانون انتقال اراضی کی ترمیم ثانی کے متعلق جو بل بے نامی انتقالات کے سلسلے میں پنجاب کونسل کے موجودہ اجلاس میں پاس ہوا ہے اس کا ایک جامع و مانع خلاصہ ڈائرکٹر انفارمیشن بیورو کی وساطت سے ہمیں موصول ہوا ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ کہ اس بل کے متعلق پنجاب کے مہاسبھائی طبقے نے جو غوغا برپا کر رکھا ہے۔ وہ بالکل ناجائز اور خلاف انصاف ہے۔ اس بل میں کوئی ایسی بات نہیں۔ جس سے آبادی کے کسی طبقے پر کوئی ناجائز زد پڑتی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ساہوکاروں کا وہ طبقہ جو بے نامی انتقالات کے ذریعے خلاف قانون طور پر زمینوں پر اپنے زراعت پیشہ کارندوں کی وساطت سے قبضہ کر چکا ہے۔ اور مدت ہائے دراز سے ان کی آمدنی کھا رہا ہے۔ اس پر اس قانون کا اثر ضرور پڑے گا۔ لیکن اس صورت حالات کا وہ خود ذمہ وار ہے۔ اس نے قانون انتقال اراضی کی واضح سپرٹ کے باوجود زراعت پیشہ طبقہ کو زمین سے محروم کیا۔ اب اس خلاف قانون اقدام کے نتائج کا وہ خود ذمہ وار ہے۔ اسلئے کہ اگر حکومت رعایا کے جملہ طبقات کی پاسبان ہونے کے لحاظ سے اپنے فرائض ادا کرتی ہے تو یہ اس کا منصب ہے۔ اور لازمی منصب ہے۔ اس بناء پر شور برپا کر دینا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ (دور جدید)

ساہوکارہ بل اور زمیندارہ بل

پنجاب کے اندر اور باہر سے بہت سے فہمید ہندو ساہوکارہ بل اور زمینوں کی واپسی کے مسودہ قانون کی حمایت کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ پنجاب اسمبلی میں ان کے خلاف تمام ترمیمیں گر گئیں۔ ہندو اور سکھ زمینداروں نے بھی ان قوانین کی پُر زور حمایت کی۔ ہمارا ہندو معاصر ٹریبیون اس سلسلہ میں صحیح لکھتا ہے کہ اگر یونینسٹ گورنمنٹ کا فی الواقع یہ منشاء ہوتا۔ کہ صوبہ پنجاب کی غیر زراعت پیشہ آبادی کو تباہ کر دیا جائے۔ تو سب سے پہلے ہم حکومت کے اس اقدام کی مخالفت کرتے۔ اور اسے بلوں کے واپس لینے کا مشورہ دیتے۔ لیکن بخدا یونینسٹ حکومت کا ہرگز ہرگز یہ منشا نہیں ہے۔ کہ غیر زراعت پیشہ لوگوں کی بربادی کی بنیادوں پر زراعت پیشہ لوگوں کے محل تعمیر کئے جائیں۔ بلکہ وہ صرف کمزور اور نادار اور فاقہ کش زمینداروں کی امداد کر کے ان کی حالت کو سنوارنا چاہتی ہے۔ جو اسکی نیک نیتی پر دال ہے۔ (پیسہ اخبار)

درخواست۔ فاروق کی اشاعت بڑھانا ہر ایک احمدی کا قومی فرض ہے۔ (مینیجر)

؎ یہ خلاصہ فاروق کی گذشتہ اشاعتوں میں شائع ہو چکا ہے۔ (ایڈیٹر)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پیغامی مشن!

ولادت مسیح کے متعلق ایک پیغامی کا انوکھا استدلال

(حضرت "سالم" کے قلم سے)

مورخہ ۱۲/۸/۳۸ کو مجھے ایک معزز پیغامی دوست سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے بارہ میں تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ اثنائے بحث میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی ولادت کا ذکر آنے پر آپ نے کہا۔ "میں تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ولادت بن باپ کا قائل نہیں ہوں"۔ میں نے کہا۔ کیا آپ کے خیال میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فرمان تمام احمدیوں کے لئے حجت نہیں؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کمال صراحت کے ساتھ فرمایا ہے۔ کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے۔ میرا یہ کہنا تھا۔ کہ پیغامی دوست چمک کر کہنے لگے۔ "اجی آپ کیا جانیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو صاف لکھا ہے کہ مسیح ناصری علیہ السلام کا باپ تھا۔ میں نے عرض کی "کہاں لکھا ہے" آپ نے حقیقۃ الوحی ہاتھ میں لے یہ حوالہ پڑھ سنایا۔

"ہمارے مخالفوں کا یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے محفوظ رہ کر آسمان پر مع جسم عنصری چڑھ گئے۔ یہ ایسا اعتقاد ہے۔ کہ جس سے قرآن شریف سخت اعتراض کا نشانہ ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف ہر ایک جگہ عیسائیوں کے ایسے دعاوی کو جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی ثابت کی جاتی ہے۔ رد کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف نے حضرت عیسیٰ ع کا بغیر باپ پیدا ہونا (جس سے ان کی خدائی پر دلیل پیش کی جاتی تھی) یہ کہہ کر رد کیا۔ کہ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل اٰدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون الخ" (حقیقۃ الوحی صلہ)

اس حوالہ سے آپ نے جو استدلال کیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ عیسائیوں کے وہ تمام دعاوی جن کی بناء پر الوہیت مسیح کا اعتقاد رکھا جاتا ہے۔ قرآن شریف نے رد فرما دیئے ہیں۔ اور ان مردود دعاوی کی فہرست میں یہ دعوٰی بھی شامل ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے۔ لہذا وہ خدا تھے۔ اور چونکہ قرآن شریف نے عیسائیوں کے اس دعوے کا رد فرمایا ہے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک مسیح ناصری علیہ السلام بن باپ نہیں۔ بلکہ باباپ پیدا ہوئے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس عجیب و غریب استدلال کا وہ جواب بھی لکھدیا جائے۔ جو بوقت گفتگو پیش کیا گیا۔ میں نے اپنے پیغامی دوست سے کہا۔ کہ آپ کا یہ استدلال بلاشبہ اچھوتا ہے اور بالکل نیا۔ چنانچہ مجھے جس قدر "اہل علم" "پیغامیوں" سے بحث و تمحیص کا موقع ملا ہے۔ ان سب نے ولادت مسیحؑ کے متعلق اپنا ذاتی اجتہاد پیش کیا ہے۔ اور کبھی یہ جسارت نہیں کی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر سے یہ نتیجہ نکالیں کہ آپ بھی مسیح ناصری علیہ السلام کی ولادت باباپ کے قائل تھے۔ ہاں کہا تو یہ کہ حضرت کا کلام ہمارے لئے حجت نہیں۔ مگر آپ نے تو کمال کر دکھایا۔ میرا خیال ہے۔ کہ اگر آپ کا یہ استدلال ہر پیغامی دوست تک پہنچ جائے۔ تو وہ اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ضرور دو نفل پڑھ دیں گے۔ اور آئندہ کے لئے انہیں اس مخمصہ سے نجات مل جائیگی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صریح تحریر مسیح علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے کا کیا جواب دیا جائے۔ نیز انہیں یہ جواب دیکر کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام حجت نہیں ہمارے ندامت کے عرق انفعال میں غرق ہونے سے نجات مل جائیگی۔

میں نے کہا۔ حضرت! تردید دعوے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اول سرے سے دعوٰی کا انکار کر دیا جائے۔ مثلاً عیسائیوں کا یہ خیال کہ چونکہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام صلیب سے نجات پاکر آسمان پر مع جسم عنصری چڑھ گئے۔ لہذا آپ خدا ہیں۔ اسکی تردید میں یہ کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ یہ دعوے سرے سے غلط ہے۔ کیونکہ مسیح علیہ السلام واقعہ صلیب سے نجات پاکر آسمان پر نہیں بلکہ دور دراز کسی ملک میں ہجرت کر گئے۔ اور پھر طبعی موت سے وفات پا گئے۔ لہذا آپ خدا نہیں ہو سکتے"۔

دوم۔ جس دعوے کے بل بوتے پر الوہیت مسیح کا عقیدہ رکھا جاتا ہے۔ بعینہٖ وہی حالات وصفات کسی دوسرے شخص میں ثابت کردی جائیں۔ اور پھر عیسائیوں سے مطالبہ کیا جائے۔ کہ دونوں کو خدا مانیں مسیح کو بھی اور شخص ثانی کو بھی۔ ورنہ الوہیت مسیح کے عقیدہ سے دست بردار ہو جائیں چنانچہ مقام زیر بحث میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ آپ نے مسیح علیہ السلام کے بالمقابل حضرت آدم علیہ السلام کی مثال پیش کی ہے جس کا صاف مفہوم یہ ہے۔ کہ اے عیسائیو! اگر تمہارے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا ان کی الوہیت کی دلیل ہے۔ تو پھر آدم کو بھی خدا مانو۔ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل اٰدم۔ تمہارے خیال میں مسیح علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا انوکھا ہو تو ہو۔ مگر خدا تعالےٰ کی نظروں میں ان کی مثال بالکل آدم علیہ السلام کی سی ہے۔ جو بن باپ بن ماں پیدا ہوئے غرض اس حوالہ سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جس صفت کے اعتبار سے عیسائیوں نے مسیح ناصری علیہ السلام کو خدا سمجھا۔ بالکل وہی صفت آدم علیہ السلام میں پائی جاتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کو خدا نہیں مانتے"۔ برعکس اس کے اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک عیسائیوں کا یہ دعوے کہ مسیح بن باپ پیدا ہوئے۔ ناقابل قبول ہوتا۔ تو حضور سرے سے اس دعوٰی کا انکار فرماتے۔ (جیسا کہ مسیح علیہ السلام کے مع جسم عنصری آسمان پر چڑھ جانے کا صاف انکار فرمایا ہے۔ اور دلائل و براہین کے ذریعہ اسکی تردید کی ہے) نہ کہ آدم علیہ السلام کی مثال پیش کرکے یہ بتاتے۔ کہ دربارۂ ولادت مسیح اور آدم دونوں کی حالت یکساں ہے۔ علاوہ بریں میرے پیغامی دوست کا استدلال ماننے سے یہ لازم آئے گا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک آدم علیہ السلام بھی باباپ پیدا ہوئے تھے۔ حالانکہ ایسا کہنا سراسر غلط ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ آپ نے مسیح کو آدم کی طرح بن باپ سمجھا ہے۔ بنا بریں قرآن کریم کے بیان کے مطابق مسیح علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے مشابہ قرار دیکر عیسائی عقیدہ پر زد ماری ہے۔

ہماری اس تقریر کے بعد ہمارے پیغامی دوست بہت ڈھیلے پڑ گئے۔ مگر وائے "خود داری" کہ اپنے منہ سے اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کی سعادت حاصل نہ کر سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دارالامان کی خبریں

(۱) سیدنا امیر المؤمنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ کی صحت ایام زیر رپورٹ میں گلے کی خراش۔ نزلہ۔ بخار۔ کھانسی سے ناساز رہی۔ احباب حضور کی صحت کامل کے لئے دعا فرما کر ثواب حاصل کریں۔

(۲) سیدۃ النساء حضرت ام المؤمنین مدظلہا العالی کو دردسر۔ پیچش کی تکلیف سے گھبراہٹ زیادہ رہی۔ دعا رصحت کی جاوے۔

(۳) ۷ راگست ۳۸ء کو مولوی مصباح الدین صاحب کی لڑکی کا رخصتانہ ہوا۔ اور ۸ راگست ۳۸ء کو مکرمی ڈاکٹر فضل کریم صاحب نے اپنے فرزند فضل الرحمٰن صاحب کی دعوت ولیمہ کی۔ اور ۱۱ راگست کو ڈاکٹر ولایت شاہ صاحب افریقہ والے کی صاحبزادی کا رخصتانہ ہوا۔ ان تینوں تقریبوں میں بہت سے احباب کو مدعو کیا گیا تھا۔ اول الذکر اور ثانی الذکر تقریبوں میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ نے بھی تشریف لاکر رونق بخشی۔ اول و آخر دعوتوں میں مٹھائی اور چائے سے تواضع کی گئی۔ اور ثانی الذکر ولیمہ میں طعام سے سیر کرایا گیا۔ خدا تعالےٰ ان سب شادیوں کو جانبین کے لئے دین و دنیا کی خیر و برکت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

چیدہ خبریں

شملہ۔ ۸ اگست۔ ریزرو بنک آف انڈیا نے ایک اعلان شائع کیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ ہندوستان میں یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ ملکہ وکٹوریہ کا روپیہ اب کار آمد نہیں رہا۔ اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ ملکہ کا روپیہ ابھی رائج الوقت ہے۔ اور اسی طرح رائج ہے۔ جس طرح جارج پنجم کا روپیہ ہے۔

مدراس۔ ۸ اگست۔ برما کے ضلع شویگو کے علاوہ باقی علاقوں میں امن قائم ہو گیا ہے۔ آج برما سے پانچ سو آدمی مدراس پہنچے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر دکن کے مسلمان باشندے ہیں۔ یہ لوگ وفد کی صورت میں وزیر اعظم مدراس سے ملاقات کریں گے۔ انہوں نے حکومت ہند کو بھی تار ارسال کیا ہے۔ کہ برما کے حالات سے ہندوستانی بیوپاریوں میں گھبراہٹ پیدا ہو رہی ہے۔ کیونکہ برما میں ہندوستانی تاجروں کی دوکانوں کو لوٹا جا رہا ہے۔ وہ مداخلت کرکے برما کی سرگرمیوں کو روکے۔

جالندھر۔ ۵ اگست۔ بھگواڑہ میں پلالی دروازہ کے نزدیک ایک نئی دلہن جل گئی۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس کے سیلولائڈ کے کڑوں میں آگ لگ گئی۔ اور وہاں سے آگ کپڑوں تک پہنچ گئی۔ جس سے لڑکی جل کر خاکستر ہو گئی۔

گوجرانوالہ۔ ۵ اگست۔ مقامی خاکساروں نے آج ایک مصنوعی جنگ کی۔ جس میں بموں کی بجائے پٹاخے استعمال کئے گئے۔ اس جنگ میں چار آدمی پٹاخوں کے پھٹنے کی وجہ سے جل گئے۔

لنڈن۔ ۸ اگست۔ شمالی روڈیشیا کی حکومت نے اعلان کیا ہے۔ کہ وہ اقتصادی بدحالی کے پیش نظر جرمنی اور آسٹریا سے ہجرت کرنے والے یہودیوں کو اپنے ملک میں پناہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔

لنڈن۔ ۸ اگست۔ آج جزیرہ فلپ میں آگ لگ گئی۔ جس سے ۸ ہزار لوگ بے خانماں ہو گئے۔

لنڈن۔ ۷ اگست۔ "ٹائمز" کا وقائع نگار مقیم پیکن رقمطراز ہے۔ کہ شمالی چین میں بدامنی نے غیر معمولی زور پکڑ لیا ہے۔ چونکہ جغرافیائی صورت حالات غیر موافق اور محافظ فوج بہت کم ہے۔ اس لئے جاپان کو شدید مشکلات کا سامنا پیش آرہی ہیں۔ جو مسافر ٹنگڈن سے پیکن آئے ہیں۔ ان کا بیان ہے۔ کہ فوجی ٹرینیں ہر روز چھ کے حساب سے شمال کی طرف جا رہی ہیں۔ ان افواج کا بیشتر حصہ شانٹنگ اور شانسی سے آتا ہے۔ کلگان کے راستے منگولیا کی جاپانی فوجیں بھی چلی آرہی ہیں۔

وصیتیں

ع ۵۱۶۴۔ منکہ محمد شریف ولد جان محمد پوستین قوم بھنگو جٹ پیشہ حجام ۲۷ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دارالامان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۵/۳۸ ۲۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔

میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں۔ کیونکہ بفضل خدا میرے والد صاحب زندہ ہیں۔ البتہ اس وقت میری ماہوار آمد اندازاً بیس روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۹ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ کہ میرے مرنے کے بعد میری جس قدر بھی جائیداد ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۹ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔ لہذا چند حروف بطور وصیت نامہ تحریر کر دیئے ہیں۔ تاکہ سند رہے۔

نوٹ:۔ چونکہ میری آمد غیر معین ہے۔ اس لئے جس قدر بھی کمی بیشی ہوتی رہیگی اسی قدر چندہ ادا کرتا رہوں گا۔ لہذا بیس روپے کی قید سے تعلق یا فاضلہ کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

العبد:۔ محمد شریف احمدی بقلم خود قادیان گواہ شد:۔ جان محمد پوستین ع۱ احمدی والد موصی۔ گواہ شد:۔ محمد الدین احمدی بقلم خود ساکن قادیان برادر موصی۔

ع ۵۱۶۵۔ منکہ عبد السلام ولد مولوی محمد الیاس خاں صاحب قوم یوسف زئی افغان پیشہ ملازمت عمر ۱۹ سال پیدائشی احمدی ساکن چارسدہ ضلع پشاور صوبہ سرحد بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۲/۷ ۳۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔

میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ اس وقت میری ماہوار آمد ۔/۵۱ روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنے کے وقت میری جس قدر جائیداد ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔

العبد:۔ عبد السلام پوسٹل کلرک کوئٹہ گواہ شد:۔ محمد اسحاق عابد سکرٹری وصایا جماعت احمدیہ کوئٹہ۔ گواہ شد بشیر احمد ایم۔ اے جنرل سکرٹری جماعت احمدیہ کوئٹہ۔

ع ۵۰۷۷۔ منکہ حمیدہ بیگم بیوہ سید فضیلت علی شاہ قوم سید عمر ۷۰ سال تاریخ بیعت ۱۸۸۹ء ساکن سیالکوٹ شہر سید منزل محلہ حکیم حسام الدین صاحب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۵/۳۸ ۹ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں:۔

میری جائیداد حسب ذیل مشترکہ تین لڑکے اور پانچ لڑکیاں۔ اور ان کی دوسری والدہ صاحبہ ہے۔ کیونکہ میرے خاوند کی وفات کے بعد ابھی تک جائیداد تقسیم نہیں ہوئی۔ اور تقسیم جائیداد مطابق شریعت جو کہ میرے حصہ میں آویگی۔ اس کے ۱/۵ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ زمین واقع موضع مالو مہر تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ تقریباً ۲۵ گھماؤں چھ کنال ہے۔ بتفصیل ۳½ گھماؤں چاہ جھمب والا۔ ۵¼ گھماؤں چاہ سیدانوالا ۸ گھماؤں چاہ مریکہ والا۔ ۹ گھماؤں چاہ گھاسی والا۔ ایک مکان پختہ واقعہ شہر سیالکوٹ محلہ حکیم حسام الدین صاحب میں جو کہ مجھے اپنے والد صاحب حکیم میر حسام الدین صاحب مرحوم کی طرف سے بطور ورثہ ملا ہے۔ اسکی قیمت تخمیناً پانچ ہزار روپیہ ہے۔ جس کی میں واحد مالک ہوں۔ اس کے بھی ۱/۵ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ فی الحال میری کوئی آمدنی نہیں۔ میرے گزارہ کے ذمہ وار میرے لڑکے ہیں۔ اس لئے اگر میری وفات کے بعد میری کوئی جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۵ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں بمد وصیت داخل کرکے رسید حاصل کرلوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔

العبد:۔ حمیدہ بیگم نشان انگوٹھا۔ گواہ شد سید احمد علی شاہ پسر موصیہ۔ گواہ شد سید عبد الغفور۔ گواہ شد:۔ محمد الدین امیر جماعت احمدیہ سیالکوٹ۔

ع ۶۰۳۴۔ منکہ فضل کریم ولد منشی فقیر اللہ صاحب قوم ککے زئی پیشہ ملازمت عمر ۵۸ سال تاریخ بیعت ۱۹-۱۹۱۸ء ساکن فیض اللہ چک ڈاکخانہ خاص تحصیل و ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۶/۳۸ ۲۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔

اس وقت میری حسب ذیل جائیداد ہے۔ ۲۵ کنال اراضی زرعی واقع موضع فیض اللہ چک بہ تفصیل ذیل ہے:۔ کھاتہ ملکیت نمبر خسرہ ۲۸۲ چھ کنال پانچ مرلہ ع ۲۹۵ چھ کنال پانچ مرلہ۔ ع ۷۷/۱۴ آٹھ کنال دس مرلہ ع ۶۳۵ بارہ کنال یہ اراضی ہماری جدی ملکیت ہے۔ جو تا حال خانگی تقسیم نہیں ہوئی۔ اس میں میرا چوتھا حصہ ہے۔ میں اپنے حصہ کے ۱/۸ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔

(۲) ۱۶ کنال اراضی ملکیتی شیخ عزیز الدین صاحب ساکن فیض اللہ چک نمبر خسرہ ع ۱۵۵۶ ۲ کنال وغیرہ خسرہ نمبر ع ۱۵/۱۴ ۱۴ کنال میرے پاس مبلغ ۔/۔/۱۸۰ روپے میں رہن ہے۔ میں اس زر رہن کے ۱/۸ حصہ کی ملکیت بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔

(۳) میرا گذارہ اس وقت میری پنشن پر ہے۔ جو ۲۳/۹ روپے ماہوار ہے۔ میں اس کے ۱/۸ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اور باقاعدہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ علاوہ ازیں میں یہ بھی وصیت کرتا ہوں۔ کہ بوقت وفات میری جس قدر بھی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو۔ اس کے ۱/۸ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر کوئی جائیداد یا اس کے حصہ کی قیمت میں اپنی زندگی میں داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرکے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی جائیداد کو بعد میں حصہ وصیت سے منہا کر دیا جائے گا۔

العبد:۔ شیخ فضل کریم ریٹائرڈ اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس حال منٹگمری۔ گواہ شد۔ غلام حسین چاہلوی سکرٹری انجمن احمدیہ منٹگمری۔ گواہ شد بشیر احمد ولد شیخ فضل کریم۔